ہفت روزہ
ترجمان اسلام
لاہور

مفتی محمود

اسلامی ممالک میں اسلامی قانون سازی

★ مولانا مفتی محمود

انقلابی مجاہدین کے چند حملوں نے گلاب سنگھ کا نشہ ہرن کر دیا۔

لاہور ہائی کورٹ کے شریعت بنچ میں مولانا زاہد الراشدی کی درخواست

۱۴ تا ۲۰ دسمبر ۱۹۷۹ء | شمارہ نمبر ۵۰ | قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے

اب بھی نہ مانو گے؟

جو ہم کہتے رہے اے مہرباں اب بھی نہ مانو گے
لٹیرا ہے امیرِ کارواں، اب بھی نہ مانو گے؟

یہ کلیاں نوچنے والوں یہ گلچینوں کی ٹولی ہے
کوئی ان میں نہیں ہے باغباں، اب بھی نہ مانو گے؟

نظامِ گلستاں تم نے دیا تھا جن کے ہاتھوں میں
اجاڑا ہے انہوں نے گلستاں، اب بھی نہ مانو گے؟

بڑی ذلت اٹھائی دوستی کے وعدیداؤں سے!
بہت جگ میں ہوئی رسوائیاں، اب بھی نہ مانو گے؟

مجھے دشنام دیتے تھے اڑاتے تھے ہنسی میری!
بجا کرتا تھا میں شورِ فغاں، اب بھی نہ مانو گے؟

ہنسا کرتے تھے جو میری فغاں پر دل کے ظالم سے
ہوئے ہیں وہ بھی مجبورِ فغاں، اب بھی نہ مانو گے؟

وہی ظالم جو اب آنے لگے مظلوم بن بن کر!
کہاں تک لو گے ان کا امتحاں، اب بھی نہ مانو گے؟

جہاں جھکنے سے ملتی ہے بلندی دونوں عالم میں
فقط وہ ہے خدا کا آستاں، اب بھی نہ مانو گے؟

بنایا تھا جنہیں اپنا محافظ تم نے گیلانی!
انہی کی آستیں ہے خونچکاں، اب بھی نہ مانو گے؟

سید امین گیلانی

احباب کی توجہ کے لئے

ترجمان اسلام کے ذریعہ خاص طور سے ہم اپنے ہم مشرب جماعتی احباب کی خدمت میں دینی اور تاریخی معلومات فراہم کرنے کی بساط بھر کوشش کر رہے ہیں اور ہم نے یہ عزم صمیم کیا ہوا ہے کہ انشاء اللہ بہرصورت ہم اس سلسلے کو جاری رکھیں گے۔ ہماری نئی مجبوریاں بھی یقیناً قارئین ترجمان اسلام کے سامنے ہیں۔ سنسرشپ کی وجہ سے ہم پہلے ہی پھونک پھونک کر قدم رکھنے کے خاصی عادی ہو چکے ہیں۔ اس کے باوجود بہت سے خالص دینی اور تاریخی مضامین پر بھی مقراض سنسر چل جاتی ہے اور ہم ارباب سنسر کا منہ تکتے رہ جاتے ہیں۔ اب تازہ ترمیم نے تو رہی سہی کسر بھی نکال دی۔ صدر صاحب نے صحافیوں کی جانب سے اس ترمیم کی نظرثانی کی درخواست پر فرمایا ہے کہ "صحت مند تنقید کی اب بھی اجازت ہے" لیکن کچھ معلوم نہیں کہ صحت مند تنقید کا پیمانہ اور معیار کیا ہے اور ایک شعبۂ صحافت سے تعلق رکھنے والے کارکن کو کیسے معلوم ہو کہ کیا صحت مند تنقید کی ضمن میں آتا ہے اور کیا نہیں آتا۔

ہمارے احباب کو ان دنوں ہم سے یہ شکایت بھی ہے کہ پرچہ لیٹ پہنچ رہا ہے۔ اس سلسلے میں ہم عرض کریں گے کہ شب و روز ایک کر کے پرچہ کی تمام کاپیاں تیار کر کے جب سنسر کے لئے پیش کی جاتی ہیں تو تین روز صرف سنسر پر صرف ہو جاتے ہیں۔ کاپیاں موصول ہونے پر حوالۂ پریس کی جاتی ہیں تو دو روز وہاں لگ جاتے ہیں۔ اس کے بعد دفتری صاحب کے یہاں پرچے کی ترتیب پر ایک یوم لگتا ہے، جب کہیں جا کے پرچہ حوالۂ ڈاک ہوتا ہے، اور یہ بھی اس صورت میں ہے جبکہ تمام کام معمول کے مطابق ہو رہا ہو ورنہ تو کبھی ارباب سنسر "چھٹی" پر، کبھی پریس کی مشین کا کوئی پرزہ ندارد، کبھی بجلی اور کبھی پلیٹیں خراب۔ اسی دوران حکومتی تعطیلات بھی آتی رہتی ہیں جیسا کہ ابھی محرم پر ہوا۔ لاہور میں تو مقامی چھٹیاں بھی ہوتی رہتی ہیں، ان کی زد بھی گاہے ماہے پرچہ پر پڑتی رہتی ہے۔ ان تمام رکاوٹوں، مشکلات اور پریشانیوں کے باوجود ہماری بھرپور کوشش یہ ہوتی ہے کہ پرچہ ٹھیک وقت پر قارئین کے ہاتھوں پہنچ جائے۔ ہم اس سلسلے میں اپنے محترم قارئین کو مزید کوشش کی یقین دہانی کراتے ہیں۔

اس کے علاوہ ہم جماعتی احباب کی خدمت میں عرض کریں گے کہ جب سے سیاست شجر ممنوعہ ہوئی ہے اور پرچہ محض دینی و تاریخی ہو کر رہ گیا ہے، احباب کی طرف سے عدم تعاون کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے جس کی کم از کم ہمیں توقع نہیں تھی۔ ہم قارئین اور جماعتی احباب کی خدمت میں دردمندانہ درخواست کریں گے کہ وہ اپنی روایات کے مطابق اہل حق کے اس "ترجمان" سے ساتھ تعاون کریں اور کسی بھی مرحلے پر ادارے کو مایوسی کا شکار نہ ہونے دیں۔

ہمارے ہم مشرب ساتھیوں کو اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے ترجمان اسلام کی اشاعت میں اضافہ کی بھی کوشش کرنی چاہیئے اور اپنے اپنے علاقے میں ترجمان کے ایجنسی ہولڈروں سے رابطہ کر کے پرچہ کے بلوں (ماہ بماہ) کی ادائیگی پر زور دینا چاہیئے بلکہ انہیں مجبور کرنا بھی کوئی خلاف اخلاق نہیں۔ اکثر و بیشتر ایجنسی ہولڈر ہمارے ہی ہم مشرب احباب ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ آپ حضرات کی معمولی کوشش سے یہ کام بہ آسانی ہو جائے اور آپ کا یہ محبوب پرچہ حسب سابق دینی خدمات انجام دیتا رہے۔

ہفت روزہ
ترجمان اسلام
لاہور

جلد نمبر ۲۲ | شمارہ نمبر ۵۰

جمعۃ المبارک ۲۲ محرم ۱۴۰۰ھ ۱۴ دسمبر ۷۹ء

— سرپرست —
مولانا عبیداللہ انور

— مدیر —
اکرام القادری

— مدیر معاون —
عمیر الہاشمی

بدلِ اشتراک
سالانہ
۶۵ — روپے
ششماہی
۳۳ — روپے
سہ ماہی — ۱۷ روپے

قیمت
ایک روپیہ پچاس پیسے

— یکے از مطبوعات —

خط و کتابت: ترجمان اسلام چوک رنگ محل لاہور

[illegible] مولانا عبیداللہ انور [illegible]

پیرِ طریقت رہبرِ شریعت

حضرت مولانا محمدؐ عبداللہ درخواستی مدظلہ کا پیغام

پیرِ طریقت حافظ الحدیث حضرت مولانا محمدؐ عبدُ اللہ صاحب درخواستی مدظلہٗ گذشتہ دنوں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کے بعد وطن واپس تشریف لے آئے۔ آپ نے اپنے ایک پیغام میں عامۃ المُسلمین سے عموماً اور ہم مشرب احباب سے خصوصاً کہا ہے کہ وہ اپنی زندگیوں کو قرآن و سنّت کی روشنی میں ڈھالیں۔ انہوں نے کہا موجودہ دَورِ پُرفتن میں نجات کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ امّت مسلمہ آقائے نامدار حضرت محمدؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور اُن (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے اصحاب اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی پیروی کرے۔

حضرت درخواستی مدظلہٗ نے مزید کہا کہ ہر قسم کی خرابیوں اور بیماریوں کا علاج صرف رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مکمل اتباع ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر مُسلمان اس پر کاربند ہو جائیں تو ان کے دن پھر سکتے ہیں اور وہ امن و عافیت کی بہاروں سے مالا مال ہو سکتے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ حرم پاک میں خدائے بزرگ برتر کے حضور میں نے امّت مسلمہ کے لئے پُرسوز دعائیں کی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ خداوند قادرِ قیّوم کی اس امّت کے حال پر ضرور کرم فرمائیں گے لیکن اس کے ساتھ ہی ہمیں خود بھی اس کے احکام و فرامین پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے کیونکہ ؎

خُدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

مفکرِ اسلام حضرت مولانا مفتی محمود مدظلہ کی وطن تشریف آوری

مفکرِ اسلام حضرت مولانا مفتی محمود مدظلہ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کے بعد بعض ہم مشرب احباب کی پُر اصرار دعوت پر افریقی ممالک اور فرانس کے دورے پر تشریف لے گئے تھے۔ گذشتہ دنوں آپ وطن عزیز تشریف لے آئے ہیں۔

آپ نے اپنے ایک پیغام میں حرم پاک سے پاکستانی مسلمانوں کے پاکیزہ اور قابلِ تقلید جذبات و احساسات کو سراہا اور اپنے اہلِ وطن کو حرم پاک کو گمراہ لوگوں کے قبضہ سے واگذار ہونے پر پُرخلوص مُبارک باد دی اور سعودی حکومت کی مدبرانہ کوششوں کو خراجِ تحسین پیش کیا۔

آپ نے پی۔ آئی۔ اے کے طیارے کے المناک حادثہ پر دلی رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے مرحومین کے لئے دُعائے مغفرت کی اور ان کے لواحقین سے اظہار ہمدردی۔ آپ نے کہا کہ گو خوفناک حادثات ہماری زندگی کا معمول بن چکے ہیں اور حادثات کی کثرت و تواتر نے اُن کی اہمیت کے احساس کو بہت حد تک کم کر دیا ہے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ روزمرہ حادثات شامتِ اعمال کا نتیجہ ہیں۔

انہوں نے کہا کہ جب کوئی بڑا حادثہ ہوتا ہے تو ہم اچانک چونک جاتے ہیں اور اس کے اسباب و علل پر گُل افشانیٔ گفتار کا بازار گرم کر لیتے ہیں جبکہ ہمیں اسباب و علل کی تلاش و جستجو کے ساتھ ساتھ اپنے اعمال و کردار کا بنظر غائر جائزہ لینا چاہیے اور خدائے قہار کے حضور الحاح و زاری کرنی چاہیئے، مگر ہم ایسا نہیں کرتے کیوں؟ اس لئے کہ مادیات نے ہماری رُوحانیت کو مغلوب کیا ہُوا ہے۔

ن ع۔ شاہ بخاری

ظہورِ مہدی

احادیث و تاریخ کی روشنی میں

ظہور مہدی سے متعلق طرح طرح کے خیالات کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اکثر اہل علم کے اتفاق سے ظہور مہدی کا عقیدہ یقینی ہے لیکن مختلف ادوار میں مہدی آخر الزماں ہونے کے جھوٹے دعوے کئے گئے ہیں۔ اس طرح حال ہی میں مکہ مکرمہ میں ظہور مہدی سے متعلق یہ واقعہ سابقہ واقعات کی مثل قرار دیا جا سکتا ہے۔ ساتویں صدی کے آخر میں غمارہ میں عباس نامی ایک شخص نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس نے جھوٹے ہمنواؤں کے ساتھ مل کر شہر فاس پر زبردستی سے قبضہ کر لیا، اس کے بازاروں کو نذر آتش کر دیا، پھر وہاں سے شہر مزمہ کا رخ کیا مگر وہاں دھوکے سے مار ڈالا گیا اور اس طرح اس کی دعوت ختم ہو گئی۔

امام مہدی سے متعلق صدیوں سے مسلمانوں میں یہ بات مشہور چلی آ رہی ہے کہ آخر زمانے میں اہلبیت سے ایک ایسا شخص پیدا ہوگا جو دین الٰہی کو دنیا میں قائم کرے گا، عدل و انصاف کو پھیلائے گا۔ مسلمان اس کی ہمرکابی اختیار کریں گے اور وہ تمام ممالک اسلامیہ پر چھا جائے گا۔ اس شخص کا نام مہدی ہوگا۔ پھر ان کے بعد دجال آئے گا اور قیامت کی دوسری نشانیاں ظاہر ہوں گی۔ ترمذی اور ابو داؤد میں عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

(ترجمہ) اگر دنیا کے ختم ہونے میں ایک ہی دن رہ جائے تو اس کو بھی اللہ تعالیٰ دراز کر دے گا، یہانتک کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کو پیدا کرے گا، وہ میرا ہمنام ہوگا۔

اس طرح ابو داؤد حضرت علیؓ سے روایت لائے ہیں اور طریق سندیوں ہے کہ قطن بن حلیفہ نے قاسم بن ابی مرہ سے روایت کی اور انہوں نے ابو الطفیل سے اور انہوں نے حضرت علیؓ سے اور انہوں نے کہا کہ فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر زمانہ ختم ہونے میں صرف ایک ہی دن باقی رہے گا تو بھی اللہ میرے اہلبیت میں سے ایک شخص کو پیدا فرمائے گا جو دنیا کو عدل و انصاف سے ایسے بھر دے گا جیسا کہ وہ اس سے پہلے ظلم و ستم سے بھر گئی ہو گی۔ ابو داؤد نے ام سلمہؓ کی روایت کو نقل کیا ہے کہ ام سلمہؓ کہتی ہیں میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے کہ مہدی حضرت فاطمہ کی اولاد میں سے ہوں گے۔ اس طرح ابو داؤد میں ام سلمہؓ کی ایک اور روایت ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا کہ ایک خلیفہ کی موت کے وقت خلافت کے بارے میں جھگڑا پڑے گا تو ایک شخص مدینہ سے بھاگ کھڑا ہوگا اور مکہ مکرمہ میں جا کر دم لے گا۔ وہاں اہل شہر جمع ہو کر رکن اور مقام کے درمیان اس سے بیعت کر لیں گے حالانکہ وہ اس پر راضی نہ ہوگا۔ پھر شام کی طرف سے اسکے خلاف فوج کشی ہو گی مگر وہ فوج مکہ و مدینہ کے درمیان آ کر جنگل میں کہیں دھنس جائے گی۔ جب لوگ اس عجیب امر کو ملاحظہ کر لیں گے تو شام اور عراق سے لوگ جوق در جوق آ کر اس سے بیعت کریں گے۔ پھر قریش میں سے ایک شخص بنی کلب کا بھانجا اٹھ کھڑا ہوگا جو کلب پر فوج بھیج کر ان پر غالب آ جائے گا اور وہ شخص بڑا بدنصیب ہوگا جو اس لشکر میں شریک ہو کر کلب کو نہ لوٹے گا۔ پھر حاصل کردہ مال کو یہ شخص اپنے متبعین میں تقسیم کرے گا اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ کر کے عام لوگوں سے اس پر عمل کرائے گا۔ تمام روئے زمین پر اسلام پھیل جائے گا اور سات برس یا نو برس یہی حال رہے گا۔ اس طرح ابو داؤد نے ابی سعید الخدریؓ کی روایت بھی نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی میری اولاد میں سے ہوں گے سینہ ان کا کشادہ اور ناک بلند ہوگی۔ زمین کو عدل و انصاف سے ایسا بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم و ستم سے کبھی بھری ہو گی۔ سات سال تک انکی حکومت رہے گی۔ ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم ابو سعید الخدریؓ سے روایت لائے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ہم کو خوف لاحق ہوا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حادثات پیش آئیں، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آئندہ کے واقعات دریافت کئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں مہدی پیدا ہوں گے جن کی حکومت کی مدت پانچ، سات یا نو سال کی ہو گی۔ مدت میں شک کو پڑا ہے۔ ان کے پاس ایک شخص آن کر کہے گا کہ مجھ کو کچھ دیجئے۔ وہ اس کو کپڑے میں اسقدر مال بھر دیں گے جسقدر وہ وہ اٹھا

ع۔ (ملخص از مقدمہ ابن خلدون)

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہ

اسلامی ممالک میں اسلامی قانون سازی

اسلام آباد کے بین الاقوامی نفاذِ شریعت کانفرنس میں خطاب

اسلامی سیکریٹیریٹ سعودی عرب کے زیر نظر اسلام آباد میں منعقد ہونے والے بین الاقوامی نفاذِ شریعت کانفرنس میں ۱۰ راکتوبر ۱۹۷۹ء کی شام کو حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نے حسبِ ذیل خطاب فرمایا۔ وقت کی کمی کی وجہ سے پورے طور پر وہ اپنے خیالات کا اظہار نہ کر سکے۔ یہ سہ روزہ کانفرنس اسمبلی ہال میں منعقد ہوئی۔ اس نشست کی صدارت امارات متحدہ عربیہ کے چیف جسٹس جناب شیخ عبد العزیز آل مبارک ابوظہبی فرما رہے تھے۔ (ادارہ)

(خطبۂ مسنونہ کے بعد)

جناب صدرِ محترم، علماء کرام، مندوبین حضرات! سب سے پہلے میں انتظامیہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے مجھے یہاں پر اپنے خیالات کے اظہار کا موقع عطا فرمایا اور جو باہر سے علماء فقہا پاکستان تشریف لائے ہیں ان کا بھی خیر مقدم کرتا ہوں۔

میں متفرق طور پر چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آج عالمِ اسلام میں اسلامی نظام کے قیام اور اسلامی قانون کے تنفیذ کا ایک جذبہ اُبھرا ہوا ہے۔ کسی بھی اسلامی ملک میں جائیں تو ایک ہی بات مشترک طور پر محسوس کی جاسکتی ہے کہ کیا وجہ ہے کہ مسلم آبادی کا اجتماعی نظام اسلام کے اصول کے مطابق نہیں ہے۔ اس بات سے ہر شخص پریشان اور مضطرب ہے۔ اس سلسلہ میں کافی مشکلات بھی ہیں۔ زمانہ آگے جا رہا ہے جیسے کوئی روک نہیں سکتا ہے۔ نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں اور چودہ سو سال سے زمانہ نئے مسائل پیدا کرتا چلا آرہا ہے ان پر فقہی انداز سے سوچنا اور ان کے لئے قانون وضع کرنا، یہ ایک مشکل مرحلہ ہے جسے ہم نے عبور کرنا ہے۔ اس میں سب سے بنیادی مسئلہ ہے رجوع الی کتاب اللہ وسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم۔ وان تنازعتم فی شیئٍ فردوہ الی اللہ والرسول۔ ذٰلک خیر واحسن تاویلا۔ تو بنیادی ماخذ قرآن و سنت ہوا۔ اس کے بعد ہمیں فقہا کے اجتہادات اور امت کے اجماع سے بھی استفادہ کرنا ہے۔ اگر چودہ سو سال میں کسی وقت بھی امت نے کسی ایک مسئلہ میں اجماعی طور پر کوئی فیصلہ کیا تو اس کے بعد اس کے بدلنے کا کسی کو بھی اختیار نہیں۔ کتاب وسنت کے بعد اجماعِ امت کا ایک مقام ہے جسے ہم نے ملحوظ رکھنا ہے۔ فروعی مسائل میں فقہا کے مجتہدات اور نظائر ہمارے سامنے ہیں تو واضح صورت حال ہمارے سامنے آجاتی ہے۔

پھر یہ ضروری نہیں کہ ہر ملک میں ایک ہی قسم کا قانون ہو۔ اگر کسی جگہ امام ابو حنیفہ کے مقلدین ہیں اور ان کی فقہ پڑھنے پڑھانے والے ہیں۔ وہاں ان کی کتابیں کثرت سے ہیں۔ فقہ حنفی کے علماء موجود ہیں جن سے رجوع کیا جاسکتا ہے تو وہاں کا قانون فقہ حنفی کے مطابق ہوگا۔ امام شافعی مصر میں ٹھہرے تو وہاں اکثر لوگ شافعی المذہب ہیں۔ ان کی کتابوں کے پڑھنے پڑھانے والے ہوں گے۔ ان کی کتابیں وہاں رائج ہوں گی تو وہاں کا قانون اگر فقہ شافعی کے مطابق ہو تو اس میں حرج کی کوئی بات نہیں۔ مغاربہ، الجزائر وغیرہ میں فقہ مالکی پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔ جو لوگ مجتہدات مالک کے مطابق فتوےٰ دیتے ہیں اگر فقہ مالکی کے مطابق قانون ہو تو وہاں کے مزاج کے عین مطابق ہوگا۔ جہاں پر حنابلہ کی تعداد زیادہ ہے جیسے سعودی عرب میں علماء حنابلہ کثرت سے ہیں تو اگر وہاں فقہ حنبلی ہو تو ہمیں محسوس نہیں کرنا چاہیئے۔ ہر ملک کے معتقدات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

جہاں تک پاکستان کا مسئلہ ہے تو یہاں غالب اکثریت فقہ حنفیہ کے مطابق ہے۔ یہاں پورا ذخیرہ کتب حنفی کا موجود ہے۔ باقی فقہا کے مجتہدات کا ذخیرہ اتنا یہاں نہیں نہ اتنے علماء وفقہا کہ جن کو

حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ
ندوۃ المصنفین دہلی

(ماخوذ)

اسلامی حکومت کا ایک بنیادی اصول
شوریٰ

یہ مقالہ حضرت مفتی صاحبؒ نے نفاذِ شریعت کے بین الاقوامی سیمینار منعقدہ ۷۹-۱۰-۱۱ اکتوبر کو اسلام آباد میں پڑھا۔

اسلامی حکومت کے اصول ومبادی بہت سے ہیں، اور اس مختصر وقت میں ان سب کے بارے میں کچھ کہنا دشوار ہے — دوسرے اصولوں کے متعلق دیگر فضلاء گرامی اپنے خیالات پیش کریں گے۔ میں اس موقع پر اسلامی حکومت کے اصول شوریٰ کے بارے میں عرض کرنا چاہتا ہوں اور وہ بھی اختصار کے ساتھ، کیونکہ عام مشاہدہ یہ ہے کہ اس طرح کے اجتماعات میں کسی طویل مقالہ کا پڑھنا ممکن نہیں ہوتا۔

شوریٰ درحقیقت رائے عامہ کے اظہار کا نام ہے۔ مفردات القرآن میں امام راغب اصفہانی نے تصریح کی ہے کہ شوریٰ کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کی رائے معلوم کی جائے، اور یہی اصول ہے جو موجودہ زمانے کے پارلیمانی نظام کی بنیاد ہے، اور جس کی داغ بیل اسلام نے اس وقت ڈالی تھی جب کہ یورپ جمہوریت اور پارلیمنٹ کے مفہوم سے بھی ناآشنا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا وشاورھم فی الامر (یعنی حکومت کے معاملات میں نظام شوریٰ اختیار کیجئے) اور مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کے بارے میں یہ اصول طے کر دیا گیا کہ امرھم شوریٰ بینھم یعنی ان کے تمام کام شوریٰ کے ذریعہ انجام پاتے ہیں۔

اسلامی قانون کے ماہرین اور علماء اسلام کے نزدیک یہ بات طے ہو چکی ہے کہ شوریٰ اسلامی حکومت کی اساس اور اس کے فیصلوں کی بنیاد ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نقل کرتے ہیں کہ جب شوریٰ کا حکم آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اگرچہ شوریٰ سے مستغنی ہے مگر یہ حکم امت کے لئے رحمت ہے اور جو اس حکم پر عمل کرے گا وہ اعلیٰ درجہ کی راہ نمائی سے محروم نہ ہوگا اور جو شوریٰ کو ترک کرے گا وہ غلط روی سے بچ نہ سکے گا۔ (روح المعانی)

ابن جریر سے روایت ہے۔ قتادہ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی نازل ہونے کے باوجود اپنے اصحاب سے مشورے کا حکم ملتا تھا اور یہ اس لئے تھا کہ قوم کو پورا اطمینان حاصل ہو جائے، اور یہ کہ شوریٰ امت کے لئے قانون بن جائے۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو اپنے رفقاء سے مشورہ کرنے میں اتنا زیادہ سرگرم ہو جس قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

(ترمذی)

اسی مفہوم کی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تحریری طور پر ہدایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قانون شوریٰ پر عامل تھے تم بھی لازماً اس پر عمل کرنا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ حضرت عمرؓ کے تعامل سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ عورتوں سے بھی مختلف معاملات میں رائے لیتے تھے۔

(تفسیر مظہری جلد دوم ص ۱۶۱)

مولانا ثناء اللہ پانی پتی نے ضحاک کا ایک بیان نقل کیا ہے کہ فاروق اعظمؓ نے عورتوں کو بھی حق رائے دہی دیا تھا۔

ان امور کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امیر کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے لئے ایک مجلس شوریٰ بنائے کیونکہ ایک شخص ہر معاملہ میں اتنی واقفیت اور مہارت نہیں رکھتا جتنا معاشرہ کے دوسرے افراد رکھتے ہیں۔ مکی دور میں اجتماعی مشوروں کے لئے دار ارقم کو مجلس شوریٰ کا ایوان بنایا گیا تھا۔ مدنی دور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک کھلے میدانوں کو بھی اس مقصد کے لئے

استعمال کیا جاتا تھا اور مسجد نبوی میں اس طرح کے اجتماعات ہوتے تھے۔ خلافتِ راشدہ میں سب سے پہلے سقیفہ بنی ساعدہ سے ایوان شوریٰ کا کام لیا گیا۔

جب اسلامی حکومت کے ایک اصول اور اساس کی حیثیت سے شوریٰ کا مسئلہ زیر بحث آتا ہے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امیر حکومت یا خلیفہ وقت یا امام المسلمین شوریٰ کے فیصلے کا پابند ہے یا نہیں۔ ہم اپنے اس مقالہ کو اس بحث پر مرکوز کرنا چاہتے ہیں اور یہ اس لئے کہ اسلامی نظام حکومت میں امیر کی حیثیت ان کے نزدیک آمر مطلق یعنی ڈکٹیٹر کی ہو جاتی ہے اور شوریٰ کی حیثیت اور اہمیت صفر کے درجہ میں پہنچ جاتی ہے۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے اسلامی حکومت، شوروی حکومت اور امام اس کا با اختیار رہنما اور صاحب تنقید قوت ہے۔ اس لئے قدرتاً امام شوریٰ کے اختیارات کا نمائندہ ہے اور انتظامی معاملات میں مجلسِ شوریٰ کے فیصلوں کا ترجمان۔ قرآن کریم میں ہے۔ امرھم شوریٰ بینھم یعنی مسلمانوں کے معاملات اور انتظامی امور آپس کے مشورہ سے انجام پاتے ہیں۔ یہ حکم عام ہے اور حکومت کے صدر نشین کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مجلسِ شوریٰ کے فیصلے دینے کے بعد اپنی اسی ذاتی رائے پر عمل کرے جو مجلسِ شوریٰ کے خلاف ہو۔ حکومت کے امیر اور سربراہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ ارباب حل وعقد سے مشورہ لے اور اس مشورہ کی پابندی کرے۔

بہت سے حضرات کو قرآن مجید کی ایک دوسری آیت سے غلط فہمی ہوتی ہے اور انہوں نے اس سے غلط نتیجہ نکالا ہے۔ وہ آیت یہ ہے۔ وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ۔ یعنی معاملات میں اپنے اصحاب سے مشورہ کر لیا کیجئے۔ اور جب آپ متعلقہ معاملہ میں عزم کر لیں تو اعتماد خدا ہی پر رکھئے۔

ان الفاظ سے بہت سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ مشورہ کرنا تو امام کے لئے ضروری ہے مگر مشورے کی پابندی ضروری نہیں ہے۔ آیئے غور کریں کہ عزم سے پیدا ہونے والی رائے شوریٰ کے فیصلے کی پابند ہے یا نہیں۔ غور فرمائیے کہ قرآن میں شوریٰ کو پہلے ذکر کیا گیا ہے اور عزم کو بعد میں۔ اس لئے منشأ اور مقصد یہ ہے کہ کسی معاملہ کو طے کرنے کے لئے مجلس شوریٰ طلب کیا جائے۔ اور یہ مجلس جو فیصلہ کرے وہ عزم کی بنیاد بن جائے۔ ظاہر ہے کہ اگر امیر یا امام شوریٰ کے فیصلہ کو نظر انداز کر دیا کرے گا اور ذاتی و شخصی رائے پر عمل کرتا رہے گا تو یہ بات مجلسِ شوریٰ کے لئے ازالہ حیثیت عرفی کے مترادف ہو گی۔ اور ایسے امیر اور ڈکٹیٹر کے درمیان کیا فرق رہ جائے گا۔ دوسری بات یہ ذہن میں رکھنے کی ہے، اس آیت میں خطاب بطور خاص رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور پیغمبر کے احکام شوریٰ کے باوجود بھی واجب التعمیل ہوتے ہیں۔ کیونکہ پیغمبر کی ایک حیثیت تو یہ ہوتی ہے کہ اس زمین پر خدا کی آواز ہوتی ہے۔ اس آیت کی رو سے کسی صدر حکومت کو وہ اختیارات حاصل نہیں ہوتے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو مخاطب کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص کر دیئے گئے ہوں۔ ہمارا مقصد اس بحث سے یہ ہے کہ اس بات سے اگر کسی کو انکار ہے کہ عزم کا تعلق شوریٰ کے فیصلہ سے بھی ہے تو بھی یہ بات نظر انداز کرنے کی نہیں ہے کہ یہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ حیثیت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔ امرھم شوریٰ بینھم یعنی مسلمانوں کے کام شوریٰ سے طے پاتے ہیں۔ قرآن میں یہ الفاظ ایک مستقل دفعہ کی صورت میں موجود ہیں اور اس کے خلاف کسی حکومت کا کوئی امیر حرکت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ابن کثیر نے آیت عزم کی تشریح کرتے ہوئے حضرت علی رضؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کیا گیا کہ عزم سے کیا مراد ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مشاورۃ اھل الرائے ثم اتباعھم

یعنی اہل الرائے کا باہمی مشورہ اور اس کے بعد شوریٰ کے فیصلہ کی پیروی تو عزم حقیقت میں وہ ارادہ ہے جو امام کے دل میں شوریٰ کے فیصلہ پر کاربند ہونے کے لئے پیدا ہوتا ہے۔ اسی آیت عزم کے سلسلہ میں احکام القرآن میں امام ابو بکر الجصاص نے واضح طور پر لکھا ہے:

وفی ذکر العزیمۃ عقیب المشاورۃ دلالۃ علی انھا صدرت عن المشورہ یعنی قرآن میں عزم کا ذکر شوریٰ کے بعد آیا ہے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ فیصلہ اور عزم وہی معتبر ہے جو شوریٰ کے فیصلہ کا نتیجہ ہو اور شوریٰ سے صادر ہوا ہو۔

حافظ ابن کثیر نے بھی یہی لکھا ہے۔ ان تمام تصریحات کے بعد امام کے شخصی فیصلہ کو شوریٰ کے فیصلہ پر ترجیح دینا درست نہیں ہوگا۔

اگر کسی کا ذہن ان تصریحات سے مطمئن نہیں ہوتا ہے اور اس کا یہ اصرار قائم رہتا ہے کہ امام کے شوریٰ کے فیصلہ کے پابند ہونے پر کوئی صراحۃ النص موجود نہیں ہے تو وہ اس بات کا اقرار کم سے کم کر لیں گے کہ اس دائرہ خاص میں کوئی واضح اور متعین حکم موجود نہیں ہے۔ ان اصحاب کے لئے اکیلے سوچنے کی بات یہ ہے کہ نبوت اور خلافت راشدہ کے عہد کو چودہ سو سال گذر چکے ہیں۔ خلفائے راشدین کا درجہ تو بہت اونچا ہے۔ اب جو لوگ مسلمانوں میں ہیں وہ تقویٰ، خوف خدا اور احساس ذمہ داری میں ان کے خاک پا کے برابر بھی نہیں۔ کیا ایسے معاشرہ میں کسی فرد واحد کو بے لگام اور مطلق العنان بنا دینا درست ہوگا؟ کیا تنہا ایک فرد کو ارباب حل وعقد کے فیصلوں سے آزاد اور

مسلمانوں کے معاملات کا تنہا ذمہ دار بنا دینا مناسب ہوگا؟

بعض لوگوں کو اس معاملہ میں جو غلط فہمی ہوتی ہے اور انہوں نے سربراہ حکومت کو مختار مطلق مان لیا ہے، اس کی وجہ سیرت و تاریخ کے تین واقعات ہیں جنہیں صحیح ڈھنگ سے نہیں سمجھا گیا۔ ایک حدیبیہ کا واقعہ دوسرے حضرت ابوبکرؓ کا جیش اسامہ کو رخصت کرنا، تیسرے مرتدین زکوٰۃ کے بارے میں آپؓ کا عمل۔

اس سے پہلے کہ ان تینوں واقعات کی صحیح تصویر پیش کی جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علماء اسلام کی ایک تصریح کا پھر سے ذکر دیا جائے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں دو قسم کی ذمہ داریوں پر فائز تھے۔ نمبر ایک منصب رسالت دوسرے منصب امامت۔ یہی ذمہ داریاں ہیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز میں فرق ہو جاتا تھا۔ آپؐ منصب رسالت کا کام خدا کے حکم کے مطابق انجام دیتے تھے اور منصب امامت کا کام شوریٰ کے ذریعہ سے۔ منصب رسالت کے کام کو ادا کرنے کے لئے آپ مشورہ تو کر لیتے تھے لیکن یہ مشورہ لینا صرف تعلیم امت کے لئے تھا۔ مشورہ طلب کرنا اور اس پر عمل کرنا ضروری نہ تھا۔ یہاں صرف خدا کا حکم واجب التعمیل ہوتا تھا۔ البتہ اس متعین شکل کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنے عزم کو شوریٰ کے خلاف استعمال نہیں کیا۔ شوریٰ کی پابندی کرنے کی مثالیں سیرت میں بہت سی ہیں۔ مثال کے طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی خواہش کے علی الرغم مدینہ سے باہر نکل کر ۳ ھ میں جنگ کرنا جو غزوۂ احد کے نام سے مشہور ہے اور غزوۂ بدر کے موقع پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خواہش کے خلاف دوسروں کے مشورہ پر ایک دوسری جگہ محاذ قائم کیا۔

اب صلح حدیبیہ کے واقعہ کو لیجئے۔ یہ ان واقعات میں سے ہے جن کو امام کے اختیار مطلق کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے۔

درحقیقت یہ صلح عام رائے کے خلاف صرف پیغمبرانہ ذمہ داری کے تحت طے پائی۔ رائے عامہ بڑی چیز ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی ہر چیز سے بلند و بالا ہے۔ جب عام لوگوں نے یعنی صحابہ کرامؓ نے اس صلح پر اپنی ناراضی کا اظہار کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> میں خدا کا رسول ہوں۔ میں اس کے حکم کے خلاف کچھ نہ کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ خدا میرے مثرے کو ضائع نہیں کرے گا۔

ان الفاظ سے یہ بات ظاہر ہے کہ رائے عامہ کے احتجاج کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس لئے نظر انداز کر دیا۔

دوسرا واقعہ جیش اسامہ کا ہے جو ۱۱ ھ میں پیش آیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ صدیق اکبرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت اسامہ کی فوج کو شام کے محاذ پر روانگی کا حکم دیا۔ حالانکہ اسلامی حکومت کا پایۂ تخت مدینہ قبائل کی بغاوت کی وجہ سے سخت خطرات سے دوچار تھا اور صحابہ کرامؓ کا مشورہ یہ تھا کہ اس وقت اس فوج کو باہر نہ روانہ کیا جائے۔ اس واقعہ سے امیر وقت آمر مطلق قرار دینا تاریخ کے واقعہ کی غلط تعبیر ہوگی۔ اس معاملہ میں صدیق اکبر نے جو کچھ بھی کیا، اس میں مطلق العنانی کو ذرا بھی دخل نہیں تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ یہ وہ فوج ہے جس کو محاذ پر جانے کے لئے حکم خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے، اور اس لشکر کو بھیجنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت اور آخری حکم پر عمل کرنا ہے اور صحابہؓ کے مشورہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

تیسرا واقعہ مانعین زکوٰۃ کے خلاف حضرت ابوبکرؓ کا عمل جہاد ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مدینہ کے اطراف میں زکوٰۃ کی ادائیگی کے خلاف بغاوت پھیل گئی۔ لوگوں کا کہنا تھا کہ نماز تو ہم پڑھیں گے لیکن زکوٰۃ نہیں ادا کریں گے۔ لوگوں نے یہ مشورہ دیا کہ حالات کا تقاضہ یہ ہے کہ تحمل سے کام لیا جائے اور مانعین زکوٰۃ سے کوئی تعرض نہ کیا جائے صدیق اکبرؓ نے اس مشورہ کو رد کر دیا۔ اور انہوں نے شوریٰ کے ارکان کو یاد دلایا کہ زکوٰۃ خدا کے حکم سے واجب الادا ہے اور خدائی احکام میں شوریٰ کو کمی بیشی کا اختیار نہیں ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تقریر کے بعد حضرت عمرؓ کو بھی شرح صدر ہو گیا کہ حضرت ابوبکرؓ کی رائے صحیح ہے اور اللہ نے ان کا دل جہاد کے لئے کھول دیا۔ اس بارے میں علامہ نووی نے شرح مسلم میں بحث کی ہے اور یہ لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی تقریر کے بعد صحابہؓ ان کی دلیل کے قائل ہو گئے تھے۔

یہ بڑی نادانی ہوگی کہ صدیق اکبرؓ لوگوں کے سامنے شریعت کے اصول پیش کر رہے ہوں اور اس واقعہ کو سامنے رکھ کر کچھ لوگ یہ بات دماغوں میں بٹھانے کی کوشش کریں کہ خلیفہ اول شوریٰ کے فیصلوں کو رد کر کے اپنی شخصی عزم پر عمل کرنے کے عادی تھے اور مطلق العنان آمر کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔

اسلام نے جمہوریت کا جو مزاج بنایا ہے وہ آج بھی دنیا کی قوموں کے لئے نمونہ اور نشان راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ آج مدتوں کے بعد دنیائے اسلام میں اسلامی نظام کو اپنانے اور غیر اسلامی نظاموں کو رد کر دینے کی خوش آئند اور خوشگوار لہر چل پڑی ہے اس لئے اسلامی نظام کے مطابق دستور سازی کے مرحلے بھی پیش آئیں گے اور اسلامی دستور میں یہ مسئلہ یقیناً اہمیت رکھتا ہے کہ سربراہ حکومت اپنی شوریٰ کا پابند ہے یا شوریٰ کے فیصلہ سے آزاد ہے۔ یہ باتیں جو گوش گذار کی گئی ہیں امید ہے بہت سے دماغوں پر دستک دیں گی اور اہل الرائے اس کے بارے میں غور و فکر سے کام لیں گے۔

زرخیز زمین مردم خیز خطہ

۲۳ جولائی ۱۹۷۸ء کو زرعی یونیورسٹی فیصل آباد میں یہ تقریر کی گئی۔ جلسہ میں یونیورسٹی کے اعلی عہدہ دار، اساتذہ اور طلبا کے علاوہ معززین شہر، علماء اور دانشوروں کی خاصی تعداد شریک تھی۔ اس یونیورسٹی میں زیر تعلیم عرب ممالک کے طلباء کی فرمائش پر مقرر نے اسی موضوع پر عربی میں بھی خطاب فرمایا۔

حمد وثناء کے بعد — اساتذۂ جامعہ، بزرگان محترم اور طلبائے عزیز!

ملک کی عظمت کا حقیقی معیار:

مجھے بڑی مسرت اور خوشی حاصل ہو رہی ہے کہ میں آپ کی اس یونیورسٹی میں جو اپنا ایک خاص کام اور مقام رکھتی ہے، اپنے رفقاء کے ساتھ حاضر ہوا ہوں، اس عزت افزائی کے لئے یونیورسٹی کے ذمہ داروں کا شکر گزار ہوں۔

کسی ملک کی ترقی اور اس کی بڑائی کا معیار صرف یہ نہیں ہے کہ اس میں یونیورسٹیوں کی تعداد کتنی ہے، اس کی زمین میں زراعتی صلاحیت کتنی ہے، اس کے محاصل کتنے ہیں، اس میں کتنے سرمایہ دار پائے جاتے ہیں، اس کا معیار زندگی کتنا بلند ہے، بلکہ ملک کی عظمت کا حقیقی معیار یہ ہے کہ اس کے اہل علم میں بحث وتحقیق کرنے کا کتنا ذوق پایا جاتا ہے اور خالص فنی اور تحقیقی دانش گاہیں اور جامعات کتنی ہیں؟ اگر کوئی ملک سب کچھ رکھتا ہے اس کے اندر قدرتی دولتوں کے بڑے بڑے ذخائر ہیں، فطری اور قدرتی وسائل بھی ہیں، لیکن اس میں ذوق تجسس نہیں ہے۔ تحقیق کا خالص علمی اور سنجیدہ ذوق نہیں پایا جاتا ایسے لوگ کافی تعداد میں نہیں ہیں جو اپنی زندگیاں وقف کر چکے ہوں، تعریف وتحسین سے بے نیاز ہو کر تحقیقی کام کرنے کے لئے اللہ تبارک وتعالی کی رضا کے لئے جو اصل مقصود ہے اور اس ملک کی ترقی اور بہبودی کے لئے وہ دن رات کام میں لگے رہتے ہیں۔ ان کو حکومت یا کسی ادارے سے انعام کا کوئی لالچ نہیں ہے، وہ تھکتے ہوں اور تھکنے ہی سے ان کو راحت ملتی ہو، تعطل اور بیکاری اور آرام ان کے لئے سزا ہو، ان کے لئے اس سے بڑھ کر سزا نہ ہو کہ ان کو تحقیقی کام کرنے سے روک دیا جائے، کام ہی ان کی غذا ہو، دوا ہو، ان کا انعام ہو۔

یہاں آکر خوشی حاصل ہوئی:

یہاں یہ دیکھ کر کہ اس ملک میں ایک ترقی یافتہ زرعی یونیورسٹی پائی جاتی ہے اور یہاں بیرونی ممالک خاص طور سے عرب ممالک کے نوجوان اپنے ملکوں سے پڑھنے اور تحقیقات کرنے کے لئے آتے ہیں، بڑی مسرت ہوئی۔ اس سے ایک مسلمان اور ایک طالبعلم کا دل ضرور خوش ہونا چاہیئے۔ خدا کا شکر ہے کہ میں مسلمان بھی ہوں، طالب علم بھی ہوں، اس لئے مجھے یہاں آنے سے قدرتاً خوشی حاصل ہوئی۔ اگر میں کوئی بڑا میوزیم دیکھتا یا کسی بڑے سے بڑے ایوان میں میری ضیافت دی جاتی تو مجھے وہ خوشی نہ ہوتی جو آپ کی اس دانشگاہ میں آکر ہوئی۔

اپنی بہترین صلاحیت اس ملک پر صرف کریں:

مجھے امید ہے کہ جو نوجوان یہاں تعلیم پا رہے ہیں وہ اپنی بہترین صلاحیتیں اس ملک کے مفاد پر صرف کریں گے، بجائے اس کے کہ وہ اونچی تنخواہوں کی خواہش میں امریکہ اور یورپ جائیں جیسا عام طور پر رواج ہو گیا ہے۔ میں پورے امریکہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آیا ہوں کہ ہمارے مشرقی ممالک کے بہترین نوجوان، بڑے با صلاحیت افراد جو اپنے ملکوں کو بہت کچھ دے سکتے تھے اور یہ ملک ان کی ذرا سی کوشش سے اپنی زمین سے خزانے اگل سکتے تھے، انہوں نے اپنے لئے اپنے ملکوں سے باہر میدان کا انتخاب کیا۔ اس سے ان افراد کا خواہ کتنا ہی بڑا فائدہ ہو لیکن ان ملکوں کا بڑا نقصان ہوا کہ پڑھ لکھ کر جب کام کے آدمی بنے تو اغیار کی سرزمین میں پہنچ گئے تاکہ اپنی جھولی بھریں، کیا ہی اچھا ہوتا کہ اپنے ملکوں کی جھولی اپنے

محنتوں سے ان کے نتائج سے محروم رہتے، لیکن افسوس ہے کہ ہماری دولت اغیار کے کام آرہی ہے۔ اس لئے میں اس ملک کے نوجوانوں سے اور عرب نوجوانوں سے بھی (مجھے امید ہے کہ وہ یہاں رہ کر اتنی اردو سمجھنے لگے ہوں گے کہ میری بات سمجھ لیں) یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنی ذہانتیں، اپنی صلاحیتیں اپنے مطالعے اپنی تحقیقات کا اصل مستحق اپنے ملکوں کو سمجھیں۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے اور حب الوطنی اور غیرتِ اسلامی کے خلاف ہے کہ ہم اپنی صلاحیتوں سے ان ملکوں کو فائدہ پہنچائیں جنہوں نے تمام اسلامی ملکوں کو غلام بنا رکھا ہے۔ آج بالواسطہ یا بلاواسطہ سیاسی طور پر، اقتصادی طور پر، علمی اور فنی طور پر سب امریکہ اور روس کے دست نگر ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک کے دست نگر ہیں، اگر ہمارے اپنی صلاحیتیں اپنی سرزمین پر صرف کریں تو وہ بہت کچھ عطا کر سکتے ہیں، اور اس راستے سے خدا سے، اپنے خالق سے بھی بہت کچھ لے سکتے ہیں۔

نظریات، فلسفوں اور علمی تحقیقات و مسلمات کا غلبہ جاری ہے:

مجھے امید ہے کہ نوجوان ان ملکوں کا مطالعہ کریں گے جو علمی تحقیقات کے ذریعہ اسلام کے قلب و دماغ پر حملہ آور ہیں۔ وہ زمانہ گیا کہ کوئی ملک کسی ملک کو غلام بنائے اور اگر اب بھی کہیں کسی کو اس کا شوق ہے تو وہ ایک قصۂ پارینہ کی تقلید ہے، لیکن علمی نظریات علمی تحقیقات اور علمی مسلمات کے نام پر جو آرا پیش کی جاتی تھیں ان کا حملہ اسلام پر ہمیشہ جاری رہا ہے اور جاری رہے گا۔ ایک زمانہ میں فلسفۂ یونان کا حملہ تھا، اس زمانے میں اسلام نے غزالیؒ، باقلانیؒ، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور امام رازیؒ پیدا کئے۔ اس کے بعد پھر جب مغربی استعمار نے تاریخ کی راہ سے مسلمانوں پر حملے شروع کئے، مثلاً یوں کہا جانے لگا کہ کتب خانہ اسکندریہ مسلمانوں نے جلایا ہے، اور اس کو یورپ نے ایسی مسلمہ حقیقت کے طور پر پیش کیا کہ ہر پڑھا لکھا آدمی اس کو گردن جھکا لیتا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ اگر میں نے اس کو ماننے سے ذرا بھی پس و پیش کیا یا انکار کیا تو میں ناخواندہ اور غیر تعلیم یافتہ سمجھا جاؤں گا۔ پورے عالم اسلام پر اس کا جادو چل گیا تھا کہ مسلمان علم کی کیا سرپرستی کریں گے علم کے سلسلے کو آگے بڑھائیں گے، وہ تو ایسے غیر روادار ایسے علم دشمن ہیں کہ اپنے خلیفہ عمر فاروقؓ کے حکم سے کتب خانہ اسکندریہ کو آگ لگا دی اور کہا کہ اگر یہ قرآن و حدیث کے مطابق ہے تو اس کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر مطابق نہیں ہے تو اس کا جل جانا ہی بہتر ہے۔ یورپ کے عیسائی مصنفین نے یہ بات کہی اور ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں نے تسلیم کر لیا اور یہ سمجھا جانے لگا کہ تاریخی حقیقت ہے۔ برصغیر میں مولانا شبلی نعمانیؒ پہلے و ناقد تھے جنہوں نے اس مسئلہ پر قلم اٹھایا اور مستقل رسالہ لکھا اور ثابت کر دیا کہ یہ محض افسانہ اور مسیحی تعصب و جہالت کا کرشمہ ہے۔ جس طرح ریاضی کی حقیقت ہوتی ہے دو، دو چار، اسی طرح انہوں نے تاریخی دلائل سے ثابت کر دیا کہ کتب خانہ اسکندریہ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت اور مسلمانوں کے داخلۂ مصر سے پہلے جل چکا تھا، اور یہ متعصب عیسائیوں کا کارنامہ تھا اسی طریقہ سے تاریخ کے راستے سے جو خیالات پیدا ہوئے اور جنہوں نے مسلمانوں کے ایمان و عقیدہ کو متزلزل کرنا شروع کر دیا جیسے "اورنگ زیب عالمگیرؒ کے متعلق مشہور کیا گیا کہ وہ ستمگر، ہندو کش تھا، ظالم تھا جزیہ ظالمانہ ٹیکس ہے" اس کا جواب بھی مولانا شبلیؒ نے دیا اور معترضین کا منہ بند کر دیا۔

علم کسی منزل پر رکتا نہیں:

جب اسلام پر حملے سیاسیات کی راہ سے، اقتصادیات کی راہ سے شروع ہوئے تو اسی تحتی براعظم کے مسلمان فضلاء کے قلم چلے، اور انہوں نے ان فلسفوں کا ان نظریات کا علمی محاسبہ کیا، علم کی تعریف یہ ہے کہ وہ کبھی کسی منزل پر جا کر رکتا نہیں اور اس میں برابر ارتقاء کا عمل جاری رہتا ہے، اس لئے یہ کہنا کہ یہ حرفِ آخر ہے یہ علم کی حیثیت و منصب سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

اب آپ حضرات کا فرض ہے کہ علم نباتات کے ذریعے جو غلط نظریات آرہے ہیں اور جو اسلام کے اور قرآن مجید کے عقائد اس کی تعلیمات سے متصادم ہیں آپ ان کا بطلان ثابت کریں، یا قرآن شریف نے جن چیزوں کی نقاب کشائی کی ہے۔ مثلاً قرآن کہتا ہے کہ

ومن کل شیء خلقنا زوجین۔

اور کہتا ہے کہ نباتات میں بھی ازدواج ہے اس میں بھی جوڑا ہے، نر اور مادہ نباتات میں بھی ہوتے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ قرآن سے پہلے بھی کسی نے اس کا دعویٰ کیا ہو اور یہ بات پیش کی ہو، اب آپ اس کی صداقت ثابت کریں اور بتائیں کہ اس کتاب کا اور اس نبی اُمّی کا بڑا معجزہ ہے کہ فن نباتات سے پہلے کسی نے یہ بات نہیں کہی کہ ہر چیز میں نر و مادہ ہوتے ہیں اور خاص طور سے نباتات کے متعلق تو سورۃ رعد کی ابتداء میں ایسی کئی حقیقتوں کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ حقیقتیں تو ایسی ہیں کہ ان پر مستقل ریسرچ کی جائے، اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی یہ جامعہ اس بات کی پوری طرح مستحق ہے کہ اس پر کام کرے اور وہ کام لوگوں کے سامنے اور پوری دنیا کے سامنے آئے۔

کاش یہ کام اسلامی

ملکوں میں ہوتا:

ڈارون کے نظریۂ ارتقاء نے جس طرح سے لوگوں کے دماغوں کو ماؤف کیا، نہ صرف یہ کہ علمی دنیا میں ہلچل پیدا کی بلکہ مذہبی دنیا کو بھی ہلا کر رکھ دیا۔ جن حضرات کا یہ موضوع ہے وہ بہتر جانتے ہیں، اس کی ضرورت تھی کہ عالم اسلام میں اس کے محاسبہ کا کام کیا جائے۔ اتفاق سے یورپ میں خود اس سلسلے میں بڑا کام ہوا اور اس نظریہ کا انیسویں صدی کے آخر یا بیسویں صدی کے شروع میں جو دبدبہ قائم تھا، جو طمطراق تھا اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ ڈارون کے نظریہ کی تنقید میں زبان کھولنا اپنی جہالت کا ثبوت دینا ہے، بہت سے لوگوں نے اس کے سامنے سپر ڈال دی تھی، اور کہنا شروع کر دیا تھا کہ قرآن کے بیان اور اس نظریہ میں کوئی منافات نہیں۔ لوگوں نے دونوں میں تطبیق دینی شروع کر دی تھی، بلکہ نظریۂ ارتقاء کو صحیح مان کر منصوصات قرآنی کی تاویل کرنے لگے تھے، لیکن اب علمی طور پر اس نظریہ کی وہ حیثیت نہیں رہی جو انیسویں صدی کے آخر یا بیسویں صدی کے اوائل میں تھی، لیکن یہ کام یورپ میں ہوا، کاش کہ یہ کام اسلامی ملکوں میں ہوتا، مصر میں ہوتا، عراق میں ہوتا، ہندوستان میں ہوتا، مگر افسوس ہمارے ممالک عربیہ کے فضلاء کی کوشش کا میدان ادب تھا یا تاریخ، انہوں نے تطبیقی علوم یعنی سائنس کیمسٹری، فزکس یا اسی طرح کے میدان کی طرف کم توجہ دی، اسلامی ممالک کا ایک آدمی بھی ایسا پیدا نہیں ہوا جو کسی نظریہ کا اضافہ کرتا، یا علمی دنیا سے اپنی تحقیق کا لوہا منوا لیتا، اور بین الاقوامی اعزاز کا مستحق قرار پاتا۔

آپ نوبل پرائز حاصل کریں:

عزیز طلباء اور مسلم نوجوانو! آپ ایگریکلچر ہی کی فیلڈ میں کوئی ایسا نظریہ پیش کریں کہ آپ نوبل پرائز کے مستحق قرار پائیں۔ آپ کو اندازہ نہیں کہ جب کسی مسلمان کو کسی تحقیقی یا علمی کام میں نوبل پرائز ملے گا تو مسلمان نوجوانوں کا حوصلہ کتنا بلند ہوگا، وہ کتنا افتخار محسوس کریں گے۔ میں طبقۂ علماء سے تعلق رکھنے کے باوجود اس روز سعید کا منتظر ہوں جب میں سنوں کہ کسی اسلامی ملک میں کسی نے نباتات یا زراعت کے میدان میں ایسا کام کیا ہے کہ وہ نوبل پرائز کا مستحق ٹھہرا۔ آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ اس سے مسلمان نوجوان کتنا خوش ہوں گے اور یہ وہ خوشی ہے جس پر کسی کو ملامت نہیں کی جا سکتی، اور جس کا سیاسیات سے کوئی تعلق نہیں، کوئی حکومت اس پر تنقید نہیں کر سکتی۔ میں نوجوانوں کو اور عرب ممالک کے نوجوانوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ ایسا اوریجنل (ORIGINAL) تحقیقاتی بلکہ انقلابی کام کریں جس کی طرف ساری دنیا کی نگاہیں اٹھ جائیں اور وہ مان جائے کہ اہل مسلمانوں میں بھی ایسی غیر معمولی دماغی صلاحیت اور عبقریت پائی جاتی ہے ایسے جینیئس (GENIUS) پائے جاتے ہیں۔

مسلم اقوام کے

دل کی زرخیز زمین:

آپ مسلم قوم کے نونہال ہیں، آپ اس زمین کی تحقیق کرتے ہیں کہ اس میں کیا کیا صلاحیتیں ہیں، اس میں کیا کیا چیزیں پیدا کی جا سکتی ہیں، اور اس کی پیداوار کس طرح بڑھائی جا سکتی ہے۔ میں آپ کو ایک اور زمین کی طرف توجہ دلاتا ہوں جس کی طرف ہمارے مسلمان ممالک کی بہت تھوڑی توجہ ہوئی ہے، وہ ہے ہمارے مسلم اقوام کے دل کی زمین، ہمارے مسلم اقوام کے دل میں کیسے کیسے خزانے دفن ہیں۔ دل کی یہ زمین کن دوستوں، کن خزانوں اور کن طاقتوں سے مالامال ہے۔ ان کو ابھارنا، ان کو پہچاننا ان سے کام لینا چاہیئے، ہمارے سیاسی قائدین اور قومی رہنماؤں نے ابھی تک اس کی طرف توجہ نہیں کی ہے کہ جو قومیں ہمارے حصے میں آئی ہیں وہ قومیں کیسی ایمانی طاقت، کیسی قربانی کی طاقت، کیسا جذبہ، کیسی گرمجوشی، کیسی سادگی، کیسی محبت اپنے اندر رکھتی ہیں۔ کیا اس کے لئے ضرورت نہیں کہ ایک یونیورسٹی قائم کی جائے جو دلوں کی اس سرزمین، ان مسلم اقوام کی ان صلاحیتوں کے متعلق تحقیقات کرے اور ان کے ابھارنے کے ذرائع معلوم کرے، اور پھر ان کو کلٹی ویٹ (CULTIVATE) کرے، ان کی پرورش کرے، ان کی نشوونما کرے، اگر یہ کام ہو گیا تو دنیا میں انقلاب عظیم برپا ہو جائے گا۔ آپ کسی تحقیق کے ذریعہ دنیا کے حالات و اخلاق میں انقلاب عظیم برپا نہیں کر سکتے، دنیا کو حقیقی فائدہ نہیں پہنچا سکتے لیکن اس کام سے دنیا کے حالات واخلاق میں انقلاب عظیم برپا کر سکتے ہیں۔ میں اقبال ہی کے الفاظ میں شکوہ سنج نہ صرف ایران سے بلکہ اس تحتی براعظم بلکہ عالم اسلام سے کہ

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گلِ ایراں وہی تبریز ہے ساقی

اور پھر اپنے دل کو تسلی دوں گا اور آپ کو مژدہ سناؤں گا کہ

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

زرخیز زمین

مردم خیز خطہ:

خدا نے آپ کو پاکستان کی سرزمین دی، اس کی مٹی بھی بڑی زرخیز، اس کی قوم بھی زرخیز، اس کا دماغ بھی زرخیز، اس کا دل بھی زرخیز۔ اسی طرح ایشیا کے سارے ممالک

جہاں سے یہ طالبِ علم آئے ہیں ۔ زرخیز ہیں یہی عراق کا حال ہے جو دجلہ و فرات کی وادی ہے، یہی سوڈان کا حال ہے جو نیل کا منبع ہے ۔

وہاں کی زمین کیسی زرخیز ہے، لیکن مردم خیز بھی ہے، آپ نے یہ تو سمجھا کہ زرخیز ہے لیکن آپ نے یہ نہیں سمجھا کہ مردم خیز بھی ہے ۔ زرخیزی کا کام تو ہو رہا ہے لیکن افسوس ہے کہ مردم خیزی کا کام ابھی شروع نہیں ہوا ۔ ممکن ہے کل ہم سنیں کہ آپ وزیر زراعت بن گئے ۔ یہ عرب نوجوان ہیں، ہوسکتا ہے کہ ان میں کوئی وزیر زراعت ہو جائے، یہ زمانہ انقلابات کا زمانہ ہے، جمہوریت کا دور ہے، اس لئے اس کا پورا امکان ہے کہ آج آپ فیصل آباد یونیورسٹی کے طالب علم ہیں لیکن کل آپ اپنے یہاں منسٹر ہوں یا لیڈر ہوں، کسی سیاسی پارٹی کے رہنما بن جائیں یا صدر جمہوریہ ہو جائیں تو میں آپ کو یہ پیغام دیتا کہ آپ زمینوں کی زرخیزی اور مردم خیزی دونوں کی طرف توجہ دیں اور اپنے ہموطنوں کو بتائیں کہ اللہ نے ان مسلم و عرب اقوام کو جو باطنی صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں یورپ و امریکہ کی قوموں کو حاصل نہیں ۔ آپ اس خلوص کا فائدہ اٹھائیں ۔ مسلمان مسلمان سے کس خلوص سے ملتا ہے، ایمان کی کتنی بڑی طاقت اس کے اندر ہے اور اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام پر وہ کیا کر سکتا ہے، اس طاقت کو بھی نشو و نما دیں، اس کو بھی بڑھائیں۔ آپ کا ملک لالہ زار نہیں، بلکہ ایسا مردم خیز، زرخیز انقلاب خیز اور ایسی بہادری کا پیغام دینے والا بن جائے کہ دنیا محو حیرت رہ جائیگی ۔

ان الفاظ کے ساتھ اپنے ان داعیوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے مجھے یہ مسرت و عزت حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ اس جامعہ کو نیک نام بلکہ نامور اور باعث عزت و افتخار بنائے، نہ صرف اس ملک کے لئے بلکہ عالم اسلام کے لئے ۔

بقیہ : خطاب مفتی محمود

رجوع کیا جائے تو لازماً فقہ حنفی کو ترجیح دی جائے گی ۔ یہاں دستورِ پاکستان میں ہم نے صرف کتاب و سنت کو قانون سازی کا ماخذ قرار دیا ہے جس کے مطابق قانون سازی ہوگی ۔ الغرض ہم کسی نزاع میں نہیں، نہ ہمارا ذہن الجھا ہوا ہے ۔ فقہ حنفی میں اگر کوئی مسئلہ نظر نہ آیا تو کسی اور مذہب سے بھی استفادہ کر سکتے ہیں ۔ اس میں ممانعت نہیں ہے ۔

مگر سوال یہ ہے کہ یہ کون کرے اجتہاد کے تمام شرائط سے بڑھ کر اہلیت، تقویٰ طہارت، خدا ترسی ہو اس میں ۔ کسی معمولی غلطی کو محسوس کرے تو اس سے فوراً رجوع کر سکے ۔ میں سمجھتا ہوں اس وقت ہمارے ملک میں یا کسی بھی ملک میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جس میں اجتہاد کی یہ ساری شرائط ہوں ۔ کوئی ایک شخص متخصص فی الحدیث ہے ۔ ایک شخص فقہ اور افتاء میں متخصص ہے کوئی تفسیر کے علوم میں متخصص ہے تو کوئی لغت عربی میں اگر یہ سب اکھٹے ہو کر کوئی فیصلہ کریں تو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ تمام متخصص شخص واحد مجتہد کی طرح ہے اس طرح ان کے اجتماعی مسائل و آراء کو قبول کیا جائے تو ہمارے مسائل حل ہو سکتے ہیں ۔

ظہور الدین بٹ

انقلابی مجاہدین کے چند حملوں نے

گلاب سنگھ کا نشہ ہرن کر دیا۔

۱۸۴۵ء و ۱۸۴۶ء کا دور ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب سکھ حکومت کے خلاف برطانوی سامراج کی تمام سازشیں کامیاب ہو رہی ہیں۔ گلاب سنگھ راجہ جموں کی انگریز دوستی طشت از بام ہو چکی ہے۔ مفاد پرست، خود غرض عہدیدار انگریز کے مقابلے سے جان بچا رہے ہیں اور اسی گلاب سنگھ کو پورے پنجاب کا وزیراعظم بنا کر "کمپنی سرکار" سے رشتہ جوڑ رہے ہیں۔

دوسری طرف وطن کے دفاع کے لئے ہندوستانی عوام کے جذبات بھڑک رہے ہیں۔ ایک ایک محب وطن انگریز کے مقابلے کے لئے سر بکف اور کفن بدوش ہے، بقول مسٹر دیبی پرشاد:

"پورے ہندوستان بالخصوص مغربی صوبہ میں غلغلہ مچ رہا تھا۔"

اُس زمانہ میں بالاکوٹ کا رئیس سید ضامن شاہ بھی اپنے علاقے کی حفاظت کے لئے اپنے حریف راجہ گلاب سنگھ کے مقابلہ میں آتا ہے۔ اسے اپنے حریف کی فوجی طاقت اور انگریزوں کی پشت پناہی کے سبب اپنی کمزوری کا احساس ہے۔ اس احساس کے پیش نظر وہ امیر تحریک ولی اللٰہی مولانا ولایت علی بانی مرکز صادق پور سے امداد کی درخواست کرتا ہے۔ مولانا ولایت علی جو حالات پر گہری نظر رکھے ہوئے ہیں، سید ضامن شاہ کی اپیل کا ذکر تحریک کے رہنماؤں سے کرتے ہیں۔ بعد ازاں انقلابیوں کا پانچ سو حریت پسندوں پر مشتمل ایک دستہ تیار کیا جاتا ہے۔ اس کی کمان مولانا عنایت علی کے سپرد کر کے بالاکوٹ کی جانب روانہ کر دیا جاتا ہے۔

کچھ عرصے بعد مولانا ولایت علی نے بھی رخت سفر باندھا۔ وہ ۹ اکتوبر ۱۸۴۶ء کو بروز جمعہ بالاکوٹ پہنچتے ہیں اور مجاہدین کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔

مولانا ولایت علی کے رفقا میں بنگال و بہار کے مجاہدین کے علاوہ مرکز صادق پور کے ممتاز افراد مولانا فیاض علی، مولانا یحییٰ علی مولانا اکبر علی جو حیدرآباد کے ممتاز عالم مولانا الٰہی بخش کے بیٹے اور مولانا احمد اللہ کے بھائی تھے شامل تھے۔

مولانا ولایت علی کے رفقاء نے بالاکوٹ روانگی سے قبل صادق پور کا مرکز مولانا ولایت علی کے چھوٹے بھائی مولانا فرحت حسین کے حوالے کیا جنہوں نے اس اہم مرکز کے ہمہ گیر نظام کو اپنی زندگی کے آخری لمحہ ۱۸۵۸ء تک پورے نظم و ضبط کے ساتھ قائم رکھا۔

انقلابی مجاہدین کے چند حملوں سے گلاب سنگھ کا نشہ ہرن کر دیا اور وہ صلح کی درخواست کرنے لگا، مگر بدقسمتی یہ ہوئی کہ حریت پسندوں نے جسے اپنا سمجھا تھا اور جس کی امداد کے لئے وہ ایک طویل سفر طے کر کے بالاکوٹ پہنچے تھے وہ بھی خود غرض نکلا۔ اگرچہ گلاب سنگھ اور ضامن شاہ دو حریف تھے مگر دونوں اقتدار کے پجاری تھے۔ پھر مولانا ولایت علی جو ایک مقدس مشن کے لئے اس کی امداد کو پہنچے تھے کیونکر اس کی چوکھٹ اقتدار پر سر جھکاتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گلاب سنگھ کی شکست اور مجاہدین انقلاب کی شان و شوکت ضامن شاہ کو اکھڑنے لگی۔

اس واقعہ کے بعد ابھی ایک سال کا قلیل عرصہ بھی نہ گذرا تھا کہ الحاق پنجاب کے منصوبہ پر عملدرآمد شروع ہوا اور انگریزی فوجیں جو ۱۸۴۶ء تک ستلج کے پار نہ آ سکی تھیں اب پنجاب کے چپے چپے پر پھیلنے لگیں۔ کمپنی سرکار کے لیفٹیننٹ گورنر اور گورنر جو مہاراجہ دلیپ سنگھ اور مہارانی جنداں کو برداشت نہ کر سکتے تھے بھلا وہ مولانا ولایت علی اور ان کی بے پناہ فوج کو کیسے گوارہ کرتے۔

ان حالات میں انگریز سامراج نے ایک مرتبہ پھر وہی پالیسی اختیار کی جو وہ "ستمہ" کے علاقے میں انقلابیوں کے قتل عام کے سلسلے میں استعمال کر رہا تھا۔ لہٰذا انگریزوں نے انتہائی احتیاط کے ساتھ ضامن شاہ کی اقتدار پسندانہ طبیعت سے فائدہ اٹھایا اور انہیں قبائل کو جنگی نجات کے لئے انقلابی حریت پسندوں کا یہ لشکر خاک و خون میں کھیل رہا تھا، مجاہدین کے خلاف بھڑکا دیا گیا۔ نفرت انگیزی کے لئے وہابیت کا پرانا الزام دہرایا گیا۔

مولانا عبدالرحیم صادق پوری مصنف الدر المنثور و منشی محمد جعفر تھانیسری مصنف سوانح احمدی کے مطابق:

"فوجی افسر ڈینس ایگینو اور لیفٹیننٹ لمسڈن تھوڑی سی فوج کے ساتھ وہاں پہنچے اور مجاہدین کے کیمپ کے قریب کیمپ قائم کر دیا۔ یہاں سے خفیہ ریشہ دوانیاں کر کے علاقے کے لوگوں کو مجاہدین کے خلاف بھڑکا دیا۔ سید ضامن شاہ نے بھی بے وفائی کی۔ اب پوری رازداری کے

ساتھ ایک تاریخ مقرر کر کے سارے مفتوحہ علاقے میں غدر کرا دیا۔ عُمّال یعنی مجاہدین کے مقامی افسر اور مجاہدین کی پولیس کے ذمہ دار قتل کر دیئے گئے۔ گویا اپنی دانست میں اس تحریک کی جڑیں اکھاڑ دی گئیں۔ افسوس صد افسوس۔

بالاکوٹ اور سید ضامن کی ریاست کے علاقے میں انقلابیوں کے اس قتل عام کے بعد مولانا ولایت علی نے سوات کا ارادہ کیا۔ راستے میں کمپنی سرکار کا علاقہ پڑتا تھا۔ جب لشکر مجاہدین اس علاقے میں پہنچے تو انگریزی فوجوں نے دفعتاً محاصرہ کر لیا۔ مولانا عبدالرحیم (مولانا ولایت علی کے بھتیجے) کے مطابق

"آپ حضرات نے اطاعت قبول کر لی اور مجاہدین کے دستوں اور روہیلہ فوج کے ساتھ لاہور کی طرف روانہ کر دیئے گئے۔ راستے میں سے مجاہدین کی کثیر تعداد فرار ہو گئی اور علاقہ سوات میں پہنچ کر زیر قیادت میر اولاد علی صاحب ستھیانہ کیمپ میں داخل ہو گئی۔ آپ دونوں بھائی باقی مجاہدین روہیلہ لشکر اور گرفتار شدہ توپ خانہ اور سامان جنگ کے ساتھ لاہور پہنچے۔ جان لارنس چیف کمشنر پنجاب نے دو منزل آگے بڑھ کر گرمجوشی سے آپ کا استقبال کیا۔ آپ کی شجاعت کی داد دی اور اس موقع پر آپ نے ہتھیار ڈال کر جس تدبر سے کام لیا تھا اس کی تحسین آفرین کی اور آپ سے درخواست کی کہ توپ خانہ اور سامان جنگ گورنمنٹ کے ہاتھ فروخت کر کے روہیلہ فوج کی تنخواہ ادا کر دی جائے باقی پانچ سو مجاہدین کو اپنے ساتھ لے کر وطن تشریف لے جائیں۔ مولانا ولایت علی صاحب نے اس کو بھی منظور کیا۔ اب دعوتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ چیف کمشنر نے ایک روز حکومت کی طرف سے دوسرے روز خاص اپنی طرف سے آپ کی اور آپ کے ساتھی مجاہدین کی دعوت کی۔ تیسرے روز مولوی رجب علی، میر منشی چیف کمشنر پنجاب نے سب حضرات کی دعوت کی۔ اس کے بعد گورنمنٹ کے خرچ سے اہتمام و اکرام کے ساتھ آپ سب کو معہ جملہ مجاہدین کے پٹنہ پہنچا دیا گیا۔

یہ لوگ پٹنہ پہنچ کر پہلے چیف کمشنر کی کوٹھی پر تشریف لے گئے۔ کمشنر صاحب نے بڑے تپاک و گرمجوشی سے آپ کا خیر مقدم کیا اور اندر لے جا کر آپ سے فرمایا کہ گورنمنٹ آپ دونوں سے دو سال کے لئے مچلکے لینا چاہتی ہے۔ دونوں بھائیوں نے یہ بھی منظور کیا اور مچلکوں پر دستخط کر دیئے پھر وہاں سے رخصت ہو کر مکان پر تشریف لائے۔ پورا شہر آپ کی زیارت کے لئے بے تاب تھا اور آپ کے پہنچنے سے پہلے کمشنر صاحب کی کوٹھی پر ہزاروں کا مجمع اکٹھا ہو گیا تھا۔ اس دو سال کے عرصہ میں بدستور سابق وعظ و نصیحت، مراقبہ و مشاہدہ میں مصروف ہو گئے اور صوبجات میں تبلیغ و ارشاد کے لئے دورے شروع کر دیئے۔ مختلف اضلاع اور صوبوں میں مبلغین کو روانہ کر دیا اور چند ماہ بعد مولانا عنایت علی صاحب کو بنگال روانہ کر دیا۔"

مولانا ولایت علی کی وفات:

مولانا ولایت علی کو مشن کی تکمیل سے قبل ہندوستان واپسی کا بہت رنج تھا۔ اکثر دوپہر اور رات کو کھلے آسمان کے نیچے کھڑے آہ و زاری کرتے اور کبھی سجدے میں انتہائی عاجزی اور بے قراری سے دعائیں کرتے۔ مچلکے کی معیاد پوری ہونے پر چند مخلصین کے ہمراہ سوات روانہ ہو گئے اور چھوٹے بھائی مولانا عنایت علی کو لکھ بھیجا کہ ضروری کاموں سے فراغت کے بعد سوات پہنچو۔

پٹنہ سے روانہ ہوئے تو قریہ قریہ شہر شہر وعظ و نصیحت اور ہدایت کی شمعیں روشن کرتے چلے۔ پٹنہ سے دہلی تک تقریباً دس برس میں پہنچے۔ دہلی میں دو ماہ قیام کے بعد آپ لدھیانہ آئے اور مولانا عنایت علی کے انتظار میں "سرائے کھتا" میں قیام فرمایا۔ مولانا عنایت علی کے پہنچتے ہی چند ہمراہیوں کے ساتھ سوات روانہ ہو گئے۔

آپ کی آمد کی خبر پا کر والئ سوات سید اکبر شاہ نے انتہائی گرمجوشی سے مع لشکر مجاہدین کی پیشوائی کی۔ آپ کی ہجرت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور حریت پسند دل نے ایک مرتبہ پھر ہندوستان سے سوات کا رخ کرنا شروع کر دیا۔

سوات پہنچ کر آپ تبلیغ و ارشاد اور درس و تدریس میں مصروف ہو گئے۔ بعد ظہر درس دیتے اور صبح کے وقت لوگوں کو مراقبہ اور مشاہدہ میں توجہ دلاتے اور ایک معین وقت انقلابیوں کی فوجی تربیت اور مشق فن سپہ گری کے لئے مخصوص تھا۔

اس مشن کا دوبارہ آغاز اور قتال و جدال کا سلسلہ شروع بھی نہ ہوا تھا کہ قضائے الٰہی نے یاد کیا۔ محرم ۱۲۶۹ھ مطابق ۱۸۵۲ء میں بعارضہ چونسٹھ سال کی عمر میں سرحد میں وفات پائی اور ستھانہ میں دفن کئے گئے۔

مولانا عنایت علی:

مولانا ولایت علی کے انتقال کے بعد امارت کا بوجھ مولانا عنایت علی کے کندھوں پر آن پڑا۔ آپ مولانا ولایت علی کے چھوٹے بھائی تھے۔ تیس سال کی عمر میں حضرت سید احمد کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ بیعت سے وفات تک ان کے مشن کی تکمیل کے لئے سرگرداں رہے۔ مولانا ولایت علی کے معتمد اور دست راست تھے۔ آپ نے تقریباً سات سال تک بنگال کا دورہ کر کے ایسا نظم و نسق قائم کیا جو تقریباً چالیس سال تک انقلابی مجاہدین کی جدوجہد میں کمک کے طور پر مجاہد اور روپیہ فراہم کرتا رہا۔ آپ نے مولانا شریعت اللہ کے ماننے والوں کو جو 'فرازی' کہلاتے تھے تحریک میں شریک کیا۔

اس کے علاوہ نثار احمد عرف ٹیٹو میاں

کے ساتھیوں نے بھی آپ کی آواز پر لبیک کہا۔ آپ ابھی بنگال میں معروف جدوجہد تھے کہ سید ضامن شاہ کی اپیل پر بالاکوٹ میں ایک نیا مورچہ کھولا گیا تو جس شخص نے اس محاذ پر فتح و کامرانی کا جھنڈا گاڑا وہ مولانا عنایت علی ہی کی ذات تھی۔

۱۸۵۰ء میں مولانا ولایت علی نے دوبارہ سرحد کا رخ کیا تو آپ بھی اپنے حصے کی تمام جائیداد فروخت کرکے مع اہل و عیال سرائے کھنا پہنچ گئے۔ سوات پہنچ کر آپ نے کچھ عرصہ بھائی کے ساتھ کام کیا۔ بعد ازاں آپ نے انگریزوں اور سکھوں کے خلاف علیحدہ مورچہ جا لیا۔

مولانا مسعود عالم مصنف "ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک" صفحہ ۶۲ پر رقمطراز ہیں کہ:

"مولانا ولایت علی جہاد کی تیاری ہی میں وقت صرف کر رہے تھے۔ مولانا عنایت علی مزاج کے تیز تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ کچھ ہونا چاہیئے۔ جہاں داد خاں والئی انب سے اس کی شرارت کے باعث آپ نے چھیڑ چھاڑ کرنی چاہی مگر مولانا ولایت علی بعض مصالح کے باعث اس کو منظور نہیں کیا۔ یہ بات گرم مزاج غازی کو ناگوار معلوم ہوئی اور وہ تین چار سو آدمیوں کے ساتھ بڑے بھائی سے علیحدہ ہو کر منگل تھانہ سید عباس کے پاس جا رہے"۔

اس ضمن میں ان کے ہم عصر انگریزوں کی رائے یہ ہے کہ:

"جہاں داد خان والئی انب ایک ہمارا حلیف تھا۔ سید اکبر شاہ کے لڑکے مبارک شاہ نے عنایت علی کے ساتھ "مردان" کے قلعہ پر قبضہ کرنے کا پلان تیار کیا، لیکن اس کا منصوبہ کامیاب نہ ہوا۔ اب عنایت علی نارنجی چلا آیا اور یوسف زئی قبائل کو ورغلانے کی کوشش کی"۔

ان دو شہادتوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قلعہ "مردان" کی مہم کی ناکامی کے بعد مولانا ولایت علی نے اسی محاذ کو مضبوط بنانے پر زور دیا جبکہ مولانا عنایت علی نے اس بات کو کافی نہ سمجھا بلکہ ایک دوسرا محاذ بھی قائم کر دیا۔ یہ یوسف زئی کا علاقہ تھا جہاں سید عباس رئیس علاقہ کے تعاون سے آپ نے منگل تھانہ کو اپنا مسکن بنا کر ایک نیا محاذ بنایا۔

مولانا ولایت علی کی وفات کے بعد آپ منگل تھانہ سے ستھانہ تشریف لے گئے جو انقلابی مسلمانوں کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ آپ کے وہاں پہنچنے پر تمام لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

زمام قیادت سنبھالتے ہی آپ نے انگریزوں کے حلیف جہاں داد خاں پر حملہ کیا۔ آپ کا حملہ کامیاب رہا اور جہاں داد خان کی قوت منتشر ہو گئی۔ انگریزوں کو اپنے حلیف کی امداد کے لئے بار بار کمک بھیجنا پڑی جو ہر بار ناکام رہی، مگر بعد ازاں اکبر شاہ کے لڑکوں نے مولانا عنایت علی سے بے وفائی کی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی عام جدوجہد نے انقلابیوں کی امداد کے راستے مسدود کر دیئے نیز انگریزوں کی تازہ دم فوجوں نے ہندوستان میں آزادی کی جنگ لڑنے والے حریت پسندوں کی کوشش کو ناکام بنانے کے بعد اب ان مجاہدین پر لشکر کشی کی اور انہیں پہاڑی علاقوں کی طرف پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ اسی دوران ۱۸۵۸ء کے آخر میں آپ کو پیغام اجل آ گیا۔

مولانا عبدالرحیم الدر المنثور کے صفحہ ۱۳۸ پر رقمطراز ہیں:

۱۸۵۷ء کے غدر کی وجہ سے راستے پرخطر تھے۔ شہر سے باہر نکلنا دشوار تھا۔ املاک تملک میں تھے، جانوں کو امن نہ تھا۔ پھر کس کو ہوش تھا اور کیونکر ممکن تھا کہ سرحد کے پار فاقہ کشوں کے لئے کوئی سامان کیا جا سکتا۔ مسلسل فاقہ کشی نے حالت تباہ کر دی۔ درختوں کی کونپلوں اور پتیوں سے اصحاب صفہ کی سنت ادا ہونے لگی۔ چند ماہ مسلسل غلہ پر نظر تک نہ پڑی اجابتیں خون آلود ہونے لگیں۔ آپ کے پاس جو کچھ تھا وہ آپ مہاجر و انصار پر صرف کر چکے تھے اور تھا بھی کیا۔ اونٹ کے منہ میں زیرہ۔ اب ادھر ساتھیوں کی بدگمانیاں اور طعنے شروع ہو گئے۔ زندگی تلخ تھی۔ یہ وقت تھا کہ اگلی امتیں مضطر ہو کر متیٰ نصر اللہ پکار اٹھتی تھیں۔ مگر اس صبر و استقامت کے پہاڑ نے پورے صبر و تحمل کے ساتھ راضی برضا رہتے ہوئے اللّٰھم بالرفیق الاعلیٰ سے زبان تر کرتے ہوئے بعارضہ بخار و ضیق النفس ۱۸۵۸ء کے آخر میں سجن المومن سے جنت مقیم کو رحلت کی"۔

ولیم ولسن ہنٹر انقلابی مسلمانوں کی سرگرمیوں کا شکوہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"۱۸۵۲ء میں مجاہدین نے خیال کیا کہ اپنے طے شدہ پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کا مناسب وقت آ گیا ہے۔ روپیہ اور آدمی ہمارے علاقوں سے ستھانہ کیمپ کو متواتر جا رہے تھے۔ اس سلسلہ میں حکومت پنجاب نے ہماری فوج کے ساتھ سازشی خط و کتابت بھی پکڑی تھی، یعنی انہوں نے کمال عیاری کے ساتھ ہماری نمبر ۴ دیسی پیادہ فوج کے ساتھ سازش کی تھی جو اس وقت راولپنڈی میں مقیم تھی اور متعصب نو آبادی کے بہت ہی قریب تھی۔ اگر وہ ہمارے صوبہ پر چڑھائی کرتے تو یہی رجمنٹ تھی جو سب سے پہلے ان کے مقابلے کے لئے بھیجی جاتی۔ ان خطوط سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ بنگال سے باغی ہمیشہ کمک روپیہ اور آدمی پہنچانے کے لئے ایک باقاعدہ نظام موجود ہے۔

انہی دنوں پٹنہ کے مجسٹریٹ نے یہ رپورٹ دی کہ اس شہر میں باغی جماعت کے آدمیوں میں اضافہ ہو رہا ہے اور اس انگریزی صوبہ کے دارالخلافہ کے مجاہدین شہر میں بغاوت کی اعلانیہ تبلیغ کر رہے

ہیں۔ پولیس بھی انہی دیوانوں کی طرف دار تھی اور اس کے لیڈروں میں سے ایک نے اپنے مکان پر سات سو آدمی اسی غرض سے جمع کر رکھے تھے کہ اگر اس سلسلہ میں کوئی مزید تفتیش ہوئی تو اس کا مقابلہ ہتھیاروں سے کیا جائے گا۔

سرحد پر مجنونوں کے کیمپ کو روپیہ اور آدمی پہنچانے کے لئے جو باغیانہ نظام قائم تھا۔ اس کی طرف سے انگریزی حکومت اب زیادہ دیر تک آنکھ بند نہ کر سکتی تھی ۔۔۔۔ اسی سال (۱۸۵۲ء) انہوں نے ہمارے حلیف ریاست امب کے نواب صاحب پر حملہ کر دیا جس کی انگریزی فوج بھیجنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ۱۸۵۲ء میں ہمارے بہت سے سپاہی غداروں کے ساتھ خط و کتابت کرنے کے جرم میں سزایاب ہوئے میں ان بے عزتیوں، حملوں اور قتل و غارت کی تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا جو ۱۸۵۶ء میں سرحدی جنگ کا باعث ہوئے۔ اس دوران میں مذہبی دیوانوں نے سرحدی قبائل کو انگریزی حکومت کے خلاف متواتر اکسائے رکھا۔ ایک ہی بات سے حالات کا بڑی حد تک اندازہ ہو جائیگا یعنی ۱۸۵۰ء سے ۱۸۵۷ء تک ہم علیحدہ علیحدہ سولہ فوجی مہمیں بھیجنے پر مجبور ہوئے جس سے باقاعدہ فوج کی تعداد ۳۵ ہزار ہو گئی تھی اور ۱۸۵۶ء سے ۱۸۶۰ء تک ان فوجی مہموں کی گنتی ۲۰ تک پہنچ گئی تھی اور باقاعدہ فوج کی مجموعی تعداد ساٹھ ہزار تک ہو گئی تھی، بے قاعدہ فوج اور پولیس اس کے علاوہ تھی۔

اس اثناء میں ستھانہ کیمپ جو ہر وقت ہمارے خلاف سرحد میں تعصب کے جذبات کو ابھارتا رہتا تھا، نہایت عقلمندی سے ہماری فوج کے ساتھ براہ راست مقابلہ کرنے سے گریز کرتا رہا لیکن ۱۸۵۷ء میں انہوں نے ہمارے خلاف عام اتحاد کی بنا ڈالی جس میں قبیلہ یوسف زئی اور قبیلہ پنج تار نے خاص طور پر حصہ لیا۔ اس سال ان لوگوں نے یہاں تک گستاخانہ دلیری سے کام لیا کہ اس علاقہ میں معین سرکاری افسروں سے تخویف مجرمانہ میں مدد کرنے کا مطالبہ کرنے لگے۔ انکار کرنے پر وہ اسقدر برانگیختہ ہو گئے کہ ہمارے علاقہ پر چڑھ دوڑے اور لیفٹیننٹ ہورن کے کیمپ پر شب خون مارا، جو اس علاقے کا اسسٹنٹ کمشنر تھا اور اس نے بڑی مشکل سے جان بچائی اس کا بدلہ لینے کے لئے اب زیادہ دیر نہیں کی جا سکتی تھی چنانچہ سر سڈنی کوٹن پانچ ہزار فوج کی معیت میں پہاڑی علاقہ میں داخل ہو گیا (جس کی تفصیل یہ تھی۔ توپ خانہ ۲۱۹ سوار: ۵۵۱، پیدل ۴۱۵۷، کُل ۴۸۸۷ باقاعدہ فوج)۔

بڑی دقت کے بعد جنرل سر سڈنی کوٹن کی فوج نے باقی اتحادیوں کے گاؤں کو جلا کر خاک کر دیا۔ ان کے دو نہایت اہم قلعوں کو مسمار اور ستھانہ کی باغی نوآبادی کو بالکل تہ و بالا کر دیا لیکن مجاہدین نے صرف یہ کیا کہ یہاں پہاڑیوں کی دشوار گذار وادیوں میں پیچھے ہٹ گئے اور اپنی قوت کو ذرا بھی ضعف نہ پہنچنے پایا کیونکہ فوراً ہی ہمسایہ قبیلے نے ملکا کے مقام پر انہیں ایک نوآبادی کے قائم کرنے کی اجازت دے دی۔

مولانا عنایت علی نے اپنے چھ سالہ مختصر دور امارت (۱۸۵۲ء، ۱۸۵۸ء) کے دوران انگریزوں کے خلاف براہ راست مہم جاری رکھی جس کی مدافعت میں سولہ مرتبہ برطانوی فوجیں بھیجی گئیں جن کی تفصیل گذشتہ سطور میں دی جا چکی ہے۔

۱۸۵۷ء میں ہندوستان عمومی طور پر اور بالخصوص شمالی ہند انقلاب اور جنگِ آزادی کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اس دوران مولانا عنایت علی نے انگریز سامراج کے خلاف سرحد کے علاقے میں انقلابیوں کے جذبے کو گرمائے رکھا اور برطانوی توسیع پسندوں کے ناک میں دم کئے رکھا۔

انقلابی مسلمانوں اور ستھانہ کیمپ کی طاقت میں اسقدر اضافہ ہوا کہ انگریزوں کو ان کے مقابلے کے لئے ایک مضبوط فوجی مستقر قائم کرنا پڑا جس میں باقاعدہ فوج کی تعداد ساٹھ ہزار تک پہنچ گئی جبکہ ایک لاکھ چالیس ہزار بے قاعدہ فوج اور پولیس اس کے علاوہ تھی۔

انقلابیوں کی ناکامی کے اسباب

جہاں برطانوی سامراج نے طاقت کے زور پر انقلابیوں کو ختم کرنے کی کوششیں جاری رکھیں وہاں اس نے سیاسی چالوں اور مکاری سے بھی بھرپور استفادہ کیا۔ اس ضمن میں انہوں نے کچھ قبائل کو ستھانہ کیمپ کے خلاف اکسا کر سید اکبر شاہ (ستھانہ کیمپ کے رئیس) کے بھائی سید عمر شاہ کو قتل کرا دیا۔

اس مقصد کے حصول کے لئے انگریزوں نے سرحدی قبائل کی ایک دوسرے سے رقابت سے مکمل طور پر فائدہ اٹھایا۔

انقلابی مسلمانوں کے خلاف "وہابی" کا لفظ استعمال کر کے ان کے خلاف شرانگیز اور نفرت انگیز پروپگنڈے سے کام لیا گیا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے سبب شمالی ہند سے ستھانہ کیمپ کی مالی امداد بند ہو گئی، نیز آدمیوں کی کمک بھی رک گئی۔

ستھانہ کیمپ کے گرد انگریزوں نے اپنی فوجی کارروائیوں کا دائرہ تنگ کر دیا۔ دریں اثناء کچھ قبائل نے انقلابیوں کے خلاف ہنگامے برپا کر کے ان کا عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔

انگریزوں اور ان کے پروردہ قبائل کی بے پناہ یورش کی وجہ سے مجاہدین ستھانہ سے ہٹ کر ملکا میں جمع ہو گئے مگر مالی دشواریوں کے سبب وہ مصائب میں اسقدر گھر گئے کہ انہیں ایک عرصے تک کونپلوں اور درختوں کے پتوں پر گزارا کرنا پڑا۔ اسی حالت میں مولانا عنایت علی بیمار ہوئے اور رحلت فرما گئے۔

مولانا عنایت علی کے جانشین:

مولانا عنایت علی کے انتقال کے بعد بھی حریت پسندوں نے انگریزوں کی بالادستی گوارہ

حافظ ارشاد احمد دیوبندی

انبیاء کرام علیہم السلامؑ کی تبلیغی دعوت

اور اقوام کا ردعمل

انبیاء کرام علیہم السلام نے خدا کے سچے دین اسلام کو پھیلانے کے لئے بڑے خلوص اور بے سروسامانی کے باوجود جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ان کا خلاصہ قرآن کریم کی مقدس آیات میں تا قیام قیامت خود خداوند عالم نے محفوظ فرما دیا ہے۔ ان مقدس آیات کا ترجمہ اس احقر نے ۱۶ نومبر ۹۷ء کی اشاعت میں پیش کیا تھا۔ انبیاء علیہم السلام کو اس بے لوث تبلیغی دعوت میں جن سخت ترین مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اس کا تذکرہ بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔ حسب وعدہ آج کی ہفت روزہ قسط میں انبیاء علیہم السلام کی اس تبلیغی دعوت کے بعد ان مختلف اقوام کی طرف سے جو ردعمل ظاہر ہوا اس کا مختصر سا تذکرہ بھی پیش کر رہا ہوں۔ اس ردعمل سے قبل امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے تمہیداً ایک بہت ہی قیمتی اقتباس حاضر خدمت ہے۔ فرماتے ہیں:

اے عزیزانِ ملت! میں کیونکر تمہیں اپنے دل کے خوں چکاں ٹکڑے دکھا دوں، جس کے ہر ٹکڑے میں زخموں اور ناسُود کے ہزاروں نشان ہیں اور پھر کیونکر اپنا دل تمہارے پہلو میں رکھ دوں کہ تم اس صدائے الٰہی کو نہیں سنتے، پر میں سنتا ہوں اور کانٹوں پر لوٹتا اور آگ کے شعلوں میں تڑپتا ہوں۔ تم میری آواز سُن سکتے ہو پر اس سوزش و اضطراب کے آتشکدے کو تو نہیں دیکھ سکتے جو میرے اندر سلگ رہا ہے، اور جس کے شعلے اب اس قدر بھڑک اٹھے ہیں کہ میں ان کے دھوئیں کو نہیں دبا سکتا۔ میں راتوں کو بستر پر لیٹتا اور دن کو کاموں میں سرگرم رہتا ہوں، لیکن مجھ کو میرا گمشدہ دل نہیں ملتا اور میرے کان میرے قبضے میں نہیں رہتے۔ آج کل کی گرمیوں کی راتوں میں جبکہ ایک عالم رات کو ٹھنڈی ہواؤں کے مزے لوٹتا اور خواب نوشیں کی راحت فرمائیوں میں مست و بے خبر ہوتا ہے۔ جبکہ نصف ابتدائی رات کی چہل پہل ختم ہو جاتی ہے اور پچھلے پہر کا مقدس اور لاہوتی وقت شروع ہوتا ہے تو میں اس وقت اپنے غم کدے کے ایک کنج باغ کی سنسان اور فکر پرور تنہائی میں عیش خواب سے مہجور اور راحت بالش بستر سے محروم پڑا ہوتا ہوں۔ پھر تم یقین کرو کہ میں اس کو دیکھتا ہوں جس کی روشنی بجلی کی طرح شعلہ آسا، لیکن بجلی کی طرح نظروں کو خیرہ کرنے والی نہیں ہوتی۔ میرے کانوں میں اس کی ایک صدائے سامعہ نواز نغمہ آسا آتی ہے جو دریاؤں کی آہستہ روانی سے مشابہ یا کسی دُور کی صدائے ارغنوں کے مانند ہوتی ہے۔ میں ایک پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں جس کی نسبت نہیں کہہ سکتا کہ وہ اوپر ہے پر مجھے خیال ہوتا ہے کہ اوپر ہے جبکہ وہ کہتا ہے کہ ھل من تائب فاتوب الیہ ھل من مستغفر فاغفر لہٗ ھل من سائل فاعطیہ۔ آج کوئی توبہ کرنے والا ہے کہ میں اس کی توبہ کو قبول کروں؟ کوئی طالبِ مغفرت ہے کہ میں اسے بخش دوں؟ کوئی مجھ سے مانگنے والا ہے کہ میں اسے عطا کروں؟ ہاں کوئی ہر طرف سے کٹ کر میری طرف آنے والا ہے کہ میں اسے آغوش میں لے لوں؟ کوئی میرے آگے تڑپنے والا ہے کہ میں اسے تسکین دوں؟ کوئی میرے آگے خاکِ اضطراب پر لوٹنے والا ہے کہ میں اسے اپنی گود میں اٹھا لوں؟ یعنی کوئی ہے کہ میرا بن جانے والا ہو اور میں بھی اس کا ہو جاؤں؟ اور کوئی ہے جو مجھ سے پیار کرنے والا ہو تا کہ میں بھی اُسے پیار کروں، وہ کہاں ہیں جو مجھے ڈھونڈنے والے ہیں؟ اور وہ کیوں نہیں دوڑتے جو میرے لئے تشنہ ہیں؟ میں ان کے لئے جو کہ پیاسے ہیں پانی ہوں اور ان کے لئے جو مایوسی سے تھک گئے ہیں امید ہوں۔

اگر تم زخمی ہو تو میری طرف آؤ کہ میں ہی مرہم لگاؤں۔ اگر تم بیمار ہو تو مجھ کو ڈھونڈو کہ مرض اور مرض میں ہی شفا ہوں، تم کیوں غیروں کی ٹھوکریں کھاتے ہو اور میری آغوش محبت سے بھاگتے ہو، حالانکہ میں تو وہ ہوں کہ اگر تم ایک بالشت میری طرف بڑھو تو میں ایک ہاتھ آگے بڑھ کر تم سے ملوں۔ اگر تم ایک ہاتھ میری طرف آؤ تو میں ایک گز آگے بڑھ کر استقبال کروں۔ اگر تم چل کر میری طرف آؤ تو میں دوڑ کر تمہاری طرف آؤں۔ اگر تم میرے ملنے کو محبوب رکھوگے تو یاد رکھو میں بھی تم سے ملنے کو محبوب رکھوں گا اور اگر تم مجھ سے پھر جاؤگے تو میں بھی تم سے پھر جاؤں گا۔ اے طالبِ خیر! تو کہاں ہے کہ تجھے پکار رہا ہوں جلدی کر اور جلدی کر کہ یہی مانگنے کا وقت ہے۔ اور اے شر کے پیچھے اپنے تئیں نادانی سے کھونے والو! اب بھی باز آ جاؤ اور جلدی کرو کہ یہی وقت ہے اور یہی وقت ہے اور صرف یہی وقت ہے کہ میں تم کو اپناؤں۔ پس اے اخوان عزیز! اس آواز کو سنو اور اگر نہیں سنتے تو میری ترجمانی کو مت جھٹلاؤ کہ میں سو رہا تھا لیکن اس نے مجھے نیند سے جگا دیا۔ ایسا نہ ہو کہ غفلت سے چونک کر بھی غفلت ہی میں رہو اور بستر سے اٹھو بھی تو بستر کی جگہ راہ میں سو جاؤ اس شخص کی غفلت میں جو بستر پر پڑا ہو اور اس میں جو ہوشیاروں کی طرح چل کر غلط راستوں میں پھنس کر رہ گیا ہو۔ کوئی فرق نہیں۔ یہ تمہارا آج کل کا اضطراب مبارک ہے۔ یہ تمہاری جستجوئے مقصود رحمتِ الٰہی ہے۔ یہ تمہاری آمادگی اور مستعدی امید کا ثمر اور جنت کا پیغام ہے۔ مگر میری سنو! اور اللہ کی پکار کی طرف غفلت نہ کرو۔ اگر سنبھلنا ہے تو ایک ہی ہاتھ ہے جو تمہیں سنبھال سکتا ہے۔ میں چپ تھا پر اب اٹھا ہوں کہ جو خود سن رہا تھا آپ کو بھی وہ سناؤں "آؤ! کہ ہم سب مل کر اس کے دروازہ پر جھکیں اور ایک مخلص "مجاہد جماعت" بن کر صرف اور صرف اسی کے ہو جائیں، اسی کی دعوت ہے جس کی طرف بلاتا ہوں اور صرف یہی میری بقیہ زندگی کا مقصد اور وظیفہ اور غایت جہد و عمل ہے جس کے لئے خدا سے استقامت کا طلبگار ہوں۔ پس مبارک ہیں وہ جو میری سنیں اور خدا کی طرف بڑھیں۔ آخرت کی کامیابی انہیں کے لئے ہے۔ نیز دماغ سوچنے کے لئے ہے نہ کہ غفلت کے لئے۔ پس تمہارے پاس دماغ ہے تو اے غفلت کو بیداری اور موت کو حیات سمجھنے والو خدا را مجھ کو بتلاؤ کہ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر تمہاری نسبت کیا لکھا جائے گا؟ یقین کرو اس وقت جبکہ یہ سطریں لکھ رہا ہوں میرے دل میں ایک سخت اضطراب ہے، میری روح بے چین ہے، میرے جگر میں ٹیس ہے۔ میرے دل کے زخموں کے ٹانکے ہل گئے ہیں اور میرے ہیجان و افکار کا ساتھ دینے سے قلم عاجز آ گیا ہے۔ یہ کیا ہے کہ ایک آواز میرے کانوں میں آ رہی ہے۔ میں سن رہا ہوں پر تم نہیں سنتے؟ آہ اے لوگو میں نہیں سمجھتا تم کو کیا کہوں، مجھ کو خدا را بتلاؤ کہ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم دین قیم کے پیرو خطاب اسلام سے متصف اور امانت الٰہی کے حامل ہو۔"

ہم نے برصغیر کے بہت بڑے ایک مبلغ اسلام کا یہ طویل ریمارکس اس لئے آپ کے سامنے پیش کیا ہے تاکہ آپ کو اندازہ رہے کہ جب ایک مبلغ اسلام اپنے سچے دین اسلام کی تبلیغ کا اتنا درد رکھتا ہے تو انبیاء کرام علیہم السلام کتنے درد اور لگن کے ساتھ دین اسلام کا تبلیغی فریضہ ادا کرتے ہوں گے اور ان کی تمنا کتنی بلند ہو گی کہ لوگ راہِ راست پر گامزن ہوں، شیطانی کردار کو چھوڑ دیں اور اللہ واحد کے سچے عاشق و پرستار بن جائیں، مگر کیسے ظالم ہیں وہ لوگ جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کے ایک مقدس گروہ کو ناحق قتل کیا اور بعض کو ایسی اذیتیں دیں کہ اللہ اللہ آج بھی ان تکالیف کا تصور کر کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، کپکپی پیدا ہو جاتی ہے، مگر قربان جائیے ان مقدس نفوس پر کہ ان پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے مگر انہوں نے ثابت قدمی کے ساتھ اپنے فریضہ سے ذرہ بھر بھی کوتاہی نہیں کی۔ جن نام نہاد مؤرخین نے لکھا ہے کہ ان سے بھی اپنے فریضہ میں کچھ کوتاہیاں ہو گئی تھیں، ان کے یہ مخصوص نظریات اسلام کے ترجمان نہیں ہیں بلکہ یہ بھی تکذیب رسل کا ایک بہانہ ہے۔ اب مندرجہ ذیل آیۃ مبارکہ کو غور سے ملاحظہ فرمائیے:

ثم ارسلنا رسلنا تترا کلما جاء امۃ رسولہا کذبوہ الخ...

(المومنون پ۱۸)۔ پھر بھیجتے رہے ہم اپنے رسول لگاتار جہاں پہنچا کسی امت کے پاس ان کا رسول انکو جھٹلا دیا پھر چلاتے گئے ہم ایک کے پیچھے دوسرے اور کر ڈالا ان کو کہانیاں (ترجمہ از شیخ الہندؒ)

حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ "یعنی رسولوں کا تانتا باندھ دیا یکے بعد دیگرے پیغمبر بھیجتے رہے اور مکذبین بھی ایک کو دوسرے کے پیچھے چلتا کرتے رہے ادھر پیغمبروں کی بعثت کا اور ادھر ہلاک ہونے والوں کا نمبر لگا دیا۔ چنانچہ بہت قومیں ایسی تباہ و برباد کر دی گئیں جن کے قصے کہانیوں کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہی آج ان کی داستانیں محض عبرت کے لئے پڑھی اور سنی جاتی ہیں۔

آیۃ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر رسولؑ

کی تکذیب کی گئی ہے۔ مثلاً حضرت نوح ؑ نے جب اپنی قوم میں توحید کی تبلیغ کی اور دیگر برائیوں سے بھی قوم کو روکا تو قوموں کے سردار نے کہا:

ماھذا الا بشر مثلکم الخ......

(المومنون پ۱۸) تب بولے سردار جو کافر تھے اس کی قوم میں یہ کیا ہے؟ آدمی ہے جیسے تم چاہتا ہے کہ بڑائی کرے تم پر اور اگر اللہ چاہتا تو اتارتا فرشتے۔ ہم نے یہ نہیں سنا۔ اپنے اگلے باپ دادوں میں یعنی بڑا بن کر رہنا چاہتا ہے۔ اس لئے یہ سب ڈھونگ بنایا ہے ورنہ خدا کسی کو رسول بنا کر بھیجتا تو کیا یہی اس کام کے لئے رہ گیا تھا کوئی فرشتہ نہ بھیج سکتا تھا۔ آج بھی بعض لوگوں کا یہی خیال ہے کہ بشر نبی نہیں ہو سکتا۔ جنس بشریت کے علاوہ یہ الزام کہ دیوبندی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا سمجھتے ہیں ایک لغو الزام ہے۔ نبی کریم علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ

"ایکم مثلی"

یعنی مرتبہ کی بلندی کے لحاظ سے ساری کائنات میں میری مثال کوئی نہیں۔ حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ اسی ایک جملے کو پھیلا کر گھنٹوں تقاریر فرمایا کرتے تھے اور کبھی ذوق کی بلندی میں خود از روئے مذاق مگر حقیقتاً فرمایا کرتے تھے کہ الزام دھرنے والو! عقل کے ناخن لو! خدا کے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کون بدبخت اپنے جیسا سمجھتا ہے۔ پھر فرماتے "ایکم مثلی" خدا کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال تو دنیا میں نہیں مل سکتی تم ہمت کر کے میری مثل کوئی دکھاؤ؟ حضرت نوح کی قوم کے متعلق دوسرے مقام پر ہے:

جعلوا اصابعھم فی اذانھم الخ... (نوح پ۲۹)

اور میں نے جب کبھی ان کو بلایا تاکہ ان کو بخشے (رب) ڈالنے لگے انگلیاں اپنے کانوں میں اور لپیٹنے لگے اپنے اوپر کپڑے اور ضد کی اور غرور کیا بڑا غرور۔

(ترجمہ از حضرت شیخ الہندؒ)

کیونکہ میری بات سننا ان کو گوارہ نہیں۔ چاہتے ہیں کہ یہ آواز کان میں نہ پڑے تاکہ وہ میری اور میں ان کی صورت نہ دیکھوں نیز اگر انگلیاں کسی وقت ڈھیلی پڑ جائیں تو کچھ کپڑوں کی روک رہے غرض کوئی بات کسی عنوان سے دل میں اترنے نہ پائے۔

محترم قارئین! کیا آج کی صورت حال اس سے مختلف ہے یا بالکل اسی طرح گویا کہ ہمارے گذشتہ دور کا نقشہ دکھایا جا رہا ہے۔ اس کے بعد حضرت ہود علیہ السلام کی ضدی قوم کا ردعمل بھی ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت ہود علیہ السلام کی دعوت توحید پر اس قوم کے سرداروں کا حال قرآن کریم سے سنیے:

قالوا یھود ما جئتنا ببینۃ وما نحن بتارکی الھتنا الخ...

(ھود پ۱۲) بولے اے ہود تو ہمارے پاس کوئی سند لے کر نہیں آیا اور ہم نہیں چھوڑنے والے اپنے معبودوں کو تیرے کہنے سے اور ہم نہیں تجھ کو ماننے والے۔

ملاحظہ فرمائیے کتنی کھلی ہٹ دھرمی ہے جو کہتے تھے کہ آپ کوئی واضح سند اور پروانہ عطا فرمائیے۔ یہ کوئی دلیل صداقت کی نہیں حالانکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو نبی ؑ مبعوث ہوا اس کے ساتھ ایسے واضح نشان بھیجے گئے جس پر آدمی ایمان لانا چاہیں تو لا سکتے ہیں۔ اس لئے بالیقین کہا جا سکتا ہے کہ ہود علیہ السلام نے ضرور نشان پیش فرمائے ہوں گے مگر وہ لوگ ہٹ دھرمی اور بے حیائی سے یہی کہتے تھے کہ آپ کوئی کھلی ہوئی نشانی نہیں لائے شاید یہ مراد ہو کہ ایسا نشان نہ لاتے جو جب کی گردنیں پکڑ کر ایمان لانے پر مجبور کر دے بہر حال ہم محض تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑ سکتے۔ نہ تمہیں ہماری رسالت پر ایمان لا سکتے ہیں۔ آج بھی اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر ان معبودان باطلہ کو چھوڑ دیجئے تو جواباً کہہ دیا جاتا ہے کہ کہنے والا کوئی وہابی ہے۔ ہم ان وہابیوں کی بات مان کر ان اللہ والوں کو نہ مانیں۔

اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام نے جب ان لوگوں کو تبلیغ کی تو قوم کے سرداروں نے بایں الفاظ جواباً کہا کہ

قال الملا الذین استکبروا من قومہ لنخرجنک یشعیب والذین امنوا معک من قریتنا الخ... (پ۹) بولے سردار جو متکبر تھے اس کی قوم میں ہم ضرور نکال دیں گے اے شعیب ؑ تجھ کو اور ان کو جو ایمان لائے تیرے ساتھ اپنے شہر سے یا یہ کہ تم لوٹ آؤ ہمارے دین میں۔

(ترجمہ از حضرت شیخ الہندؒ)

وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ ہمارے معبودوں کی مخالفت کی وجہ سے شعیب ؑ آسیب زدہ یا دیوانہ ہو گئے ہیں (العیاذ باللہ)۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے مشرک باپ اور مشرک قوم کو تبلیغ کی اور ان کو شرک سے توبہ تائب ہونے کی تلقین کی تو قوم نے کہا:

اجئتنا بالحق ام انت من اللعبین۔ (الانبیاء پ۱۷)

بولے تو لایا ہے ہمارے پاس سچی بات یا تو کھلاڑیاں کرتا ہے۔

(ترجمہ از حضرت شیخ الہندؒ)

مقصد یہ کہ تمام قوم کے عقیدہ کے خلاف ابراہیم علیہ السلام کی ایسی سخت گفتگو سن کر ان میں اضطراب پیدا ہو گیا۔ کہنے لگے کیا سچ مچ تیرا خیال اور عقیدہ یہی ہے یا محض ہنسی اور دل لگی کرتا ہے۔ مگر ابراہیم نے فرمایا کہ ہنسی مذاق تو جاہلوں کا کام ہے میں تو اللہ واحد کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ تم تو اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو جو

نہیں ہرگز ہی نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے تو اس بدبخت قوم نے موحد اعظم حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو اپنے معبودوں کی گستاخی کی سزا دینے کا فیصلہ کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلا دیا جائے۔ قرآن کریم میں وضاحتاً موجود ہے کہ

قالوا حرقوہ وانصروا الھتکم
ان کنتم فاعلین (الانبیاء پ۱۷)

بولے اس کو جلاؤ اور مدد کرو اپنے معبودوں کی اگر کچھ کرتے ہو (ترجمہ از حضرت شیخ الہندؒ) بحث و مناظرہ میں تو وہ ہار گئے۔ اب صرف یہی ایک صورت تھی کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے معبود توڑ کر ان کے دل جلائے ہیں وہ بھی آپ کو نذرِ آتش کر دیں۔ مگر کہ

ما درچہ خیالیم و فلک درچہ خیال۔

انہوں نے تو اپنا کام کر دکھایا مگر اللہ رب العلمین نے آگ کو حکم جاری فرما کر ٹھنڈا کر دیا۔ باپ نے بھی کہہ دیا تھا کہ

قال اراغبٌ انت عن الھتی
یا ابراھیم (مریم پ۱۶)

بولا کیا تو پھرا ہوا ہے (معبودانِ باطلہ سے) میرے معبودوں سے اے ابراہیم اگر تو باز نہ آیا تو تجھ کو سنگسار کر دوں گا اور دُور ہو جا میرے پاس سے ایک مدت اسی طرح جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توحید کی تقریر و تبلیغ کے ذریعے فرعون اور بنی اسرائیل قوم کو صحیح راہ توحید کی دعوت دی تو آپؑ کو بھی اپنے پیشروؤں کی طرح تکالیف سے دوچار ہونا پڑا۔ قرآن کا بیان ہے:

ثم ارسلنا موسیٰ واخاہ
ھرون بآیٰتنا الخ.. (المومنون پ۱۸)

پھر بھیجا ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیاں دے کر اور کھلی سند فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس پھر لگے بڑائی کرنے اور وہ لوگ مغرور تھے۔ سو بولے کیا ہم مانیں گے اپنی برابر کے دو آدمیوں کو اور ان کی قوم ہمارے تابعدار ہیں۔ پھر جھٹلایا ان دونوں کو پھر ہو گئے غارت ہونے والوں میں۔

موسیٰ علیہ السلام کے واقعات قرآن کریم میں متعدد مقامات پر وارد ہیں اور فرعون نے جو کچھ کیا اور پھر ان کا جو حشر ہوا یہ واقعات اکثر زبان زدِ عوام ہیں کہ جادوگروں سے بھی اگر مقابلہ کرایا گیا تو آپ نے اس کو اپنی انا کا مسئلہ نہیں بنایا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کامیاب فرمایا۔ مضمون کی طوالت کے پیش نظر آگے ہم صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی توحیدی پکار اور اس پر قوم قریش وغیرہ کا ردعمل پیش کرتے ہیں۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قوم کو دعوت توحید پیش فرمائی تو قوم نے بہت تعجب کا اظہار کیا۔ قرآن کریم نے اس واقعہ کے اظہار کو یوں بیان فرمایا ہے:

"اجعل الالھۃ الٰھاً واحداً
انّ ھذا لشئٌ عجاب (ص پ۲۳)

کیا اس نے کر دی اتنوں کی بندگی کے بدلے ایک ہی کی بندگی یہ بھی ہے بڑے تعجب کی بات ہے۔

اور چل کھڑے ہوئے سردار ان میں سے کہ چلو اور قائم رہو اپنے معبودوں پر۔ انہی مشرکین مکہ کے بارے میں قرآن کریم کی ایک اور گواہی ان لفظوں میں بیان کی گئی ہے:

انّھم کانوا اذا قیل لھم لا
الٰہ الا اللہ یستکبرون (صٰفٰت پ۲۳)

وہ تھے کہ جب ان سے کوئی کہتا کہ بندگی نہیں سوائے اللہ کے تو غرور کرتے (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ) یعنی ان کا کبر و غرور مانع ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ مبارک سے یہ کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ زبان پر لائیں جن سے ان کے جھوٹے معبودوں کی نفی ہوتی ہے، خواہ دل میں اسے سچ ہی سمجھتے ہوں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کو عالم کائنات میں پھیلانے کے لئے اور امر بالمعروف نہی عن المنکر یعنی تطہیر معاشرہ کے لئے صرف تبلیغ سے ہی کام نہیں لیا بلکہ مشرکین کے ساتھ بڑی عظیم الشان جنگیں بھی لڑی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو قلیل نفری اور سامان حرب کی غیر موجودگی کے باوجود بھی فتح یاب فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرزندان توحید حضرات صحابہ کرامؓ کو اس مشن کے لئے تیار فرمایا۔ آج بھی اس فریضہ "تبلیغ و توحید" اور اصلاح معاشرہ کے لئے علماء حق کی جماعت کام کر رہی ہے۔

اس احقر راقم عفا اللہ عنہ کے خیال میں قوم کا ردعمل آج بھی وہی ہے بلکہ اس کی ترقی یافتہ شکل نے اور بھی کئی خرابیوں کو جنم دے کر علماء حق کے لئے کام کرنے کے راستے محدود کر دیئے ہیں مگر خدا بھلا کرے بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم قدس اللہ سرہ العزیز کا کہ انہوں نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھ کر کارِ نبوت میں وسعت پیدا کر دی ہے جس کا ایک خواب ممدوح مرحوم نے خود بھی دیکھا تھا کہ آپؒ بیت اللہ میں موجود ہیں اور آپ کے وجود سے نہریں بہہ رہی ہیں۔ اب آپؒ کے بعد آپ کے حقیقی جانشین حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب مدظلہ العالی نے ایک عظیم الشان خواب دیکھا ہے جو دارالعلوم دیوبند کے ہر شیدائی کے لئے عظیم مسرت اور قلبی فرحت کا باعث ہے۔ آپ بھی اسے ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت مولانا ابن الانور سید محمد ازہر شاہ قیصر خالیہ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند بابت ماہ نومبر ۷۹ء کے حرف آغاز میں رقم طراز ہیں کہ:

پچھلے دنوں دارالعلوم کے اجلاس صد سالہ کے سلسلہ میں کارکنان دارالعلوم کو ایک بڑی بشارت حاصل ہوئی ہے، وہ یہ کہ ۲ ذیقعدہ کی شب میں تہجد کے وقت حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے خواب میں دیکھا کہ وہ مکہ مکرمہ زادہ اللہ شرفاً و تعظیماً میں مقیم ہیں ایک صاحب ان کے پاس ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

غم نداری ابُز بخر

پچھلے ہفتہ ہم نے ٹیلیفون پر "رانگ نمبرز" پر جو مختصر سا کالم لکھا تھا ہمارے نزدیک اس میں کچھ کسر رہ گئی سو اب پوری کی جا رہی ہے۔

اب اگر ہمیں کبھی ضروری ٹیلیفون کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو رنگ کرنے کے بعد جو گفتگو سننے میں آتی ہے، اس سے سخت کوفت ہوتی ہے۔ ایک بار تو ایسا ہوا کہ ہماری طبیعت کچھ مضمحل سی ہو گئی اور محسوس ہو رہا تھا کہ اگر دفتر گئے تو راستے میں طبیعت مزید .... ڈاؤن ہو جائے گی، اس لئے مناسب یہی سمجھا کہ ٹیلیفون پر دفتر سے رخصت لے لی جائے۔

بستر میں لیٹے لیٹے ریسیور کریڈل سے اٹھایا تو (BUSY TONE) آرہی تھی۔ ہم نے ریسیور رکھ کر اس کے ٹھیک ہونے کا کچھ دیر انتظار کیا۔ پھر اٹھایا تو وہی صورتحال تھی۔ گھنٹہ بعد اٹھایا تو (BUSY TONE) کے ساتھ دو افراد کے مابین ڈائیلاگ سننے میں آرہے تھے۔ آپ بھی پڑھیں اور فیض یاب ہوں۔

پہلا: بشیرے! تو نے ابھی ناشتہ نہیں کیا؟

دوسرا: مجید یار! بات یہ ہے کہ میں آج کل ناشتہ گھر نہیں کرتا! کیونکہ گھر ناشتہ کرتے کرتے دس بج جاتے ہیں۔ مجھے دوکان کھولنی ہوتی ہے۔

پہلا: یار! تو پھر یہاں میرے پاس آجا، یہیں ناشتہ کر لیتے ہیں!

دوسرا: نہیں یار! ابھی میں نے مٹی کا تیل لینے جانا ہے۔ ڈبہ وہیں رکھا ہوا ہے۔ صبح سے بچہ لائن میں لگا ہوا ہے۔ دیکھو اگر شام تک باری آجائے۔

میں نے درمیان میں بولنے کی کوشش کی تو ان میں سے ایک صاحب نے ڈانٹتے ہوئے کہا: "کیا بدتمیزی ہے، کیوں بیچ میں بول رہے ہو، بات کیوں نہیں کرنے دیتے!" مجبوراً ٹیلیفون پھر رکھ دیا۔ ناشتہ کے بعد پھر اٹھایا تو ٹیلی فون بالکل مردہ (DEAD) ہو چکا تھا یعنی اس کی روح پرواز کر کے ایکسچینج منتقل ہو چکی تھی اور ہمارے سامنے محض خالی سیٹ پڑا ہماری بے بسی کا ماتم کر رہا تھا اور کبھی کبھی تو ایکسچینج کے آپریٹروں کا ہیولہ سا یہ کہتا ہوا محسوس ہوتا کہ "بڑے آئے ٹیلی فون ہولڈر.... ہماری مرضی کے بغیر تم ٹیلیفون کیسے کر سکتے ہو...!"

تھک ہار کر ہم پڑوسی سے ایک عدد کال برائے دفتر اور ایک عدد ایکسچینج کو ٹیلیفون مردہ (DEAD) ہونے کی شکایت کے لئے کال کی درخواست کرنے پر مجبور ہو گئے۔ پڑوسی نے ماتھے پر تیوریاں ڈالتے ہوئے ٹیلیفون کرنے کی اجازت مرحمت فرما ہی دی اور ہم اس اجازت کو نعمتِ نایاب سمجھ کر دل ہی دل میں بہت خوش ہوئے۔ پہلے تو دفتر میں اپنی غیر حاضری کی اطلاع دی، بعد ازاں اپنے ٹیلیفون کی شکایت کیلئے اٹھارہ اور عرف عام میں "ون ایٹ" ڈائل کیا۔ نمبر تو مل گیا مگر وہاں اسے سننے کی کوئی بھی زحمت گوارہ نہیں کر رہا۔ تھوڑے وقفہ کے بعد پھر کیا تو خوش نصیبی ہماری کہ ایکسچینج سے اٹھا بھی لیا۔ اس سے پہلے کہ وہ آپریٹر (صاحبہ) ریسیور اٹھانے کے بعد ہم سے مدعا پوچھیں، یہ گفتگو ہم نے بالکل صاف سنی اور اس "آپریٹرانہ" گفتگو کو سن کر غصے کے مارے ہماری جو حالت ہوئی، اس کا اظہار کم از کم قلم سے ناممکن ہے۔

(خاتون آپریٹر دوسری آپریٹر سے): عجیب پاگل قسم کے لوگ ہیں۔ جب سنو شکایت لکھواتے رہتے ہیں۔ دو منٹ آرام بھی نہیں کرنے دیتے۔

(دوسری خاتون آپریٹر): میں تو کہتی ہوں ان لوگوں کے لئے علیحدہ پاگل خانہ (MENTAL HOSPITAL) بنوایا جائے۔ ارے ہاں تم نے میرا ناول ابھی تک واپس نہیں کیا، حالانکہ میں نے اس عرصہ میں دو ضخیم ناول ختم کر لئے ہیں یہیں بیٹھ کر۔

(پہلی خاتون آپریٹر): تھوڑا سا رہ گیا ہے، تم ہی دیکھو ذرا سا پڑھتی ہوں بیل بجنے لگتی ہے۔ بس اب تو میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ سوائے چند کے میں کوئی بھی کال اٹینڈ نہیں کروں گی۔ رہی تمہاری بات! تم تو "خاص مہربانی" کی وجہ سے تقریباً فارغ ہی رہتی ہو۔ دیر سے آتی ہو، جلدی ہی چلی جاتی ہو"

میں نے اس زہریلی اور اشتعال انگیز گفتگو سے تنگ آکر آپریٹر سے اپیل کی کہ وہ میرا ابھی مدعا سن لے ....

(آپریٹر نے تنگ مزاجی کا کثرت سے استعمال کرتے ہوئے کہا) "کیا بات ہے! ٹیلیفون خراب ہے، ڈیڈ ہے یا آپ کے ٹیلیفون کو

اور کوئی تکلیف ہے!"

اب میرے پاس شکایت کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں تھی۔ اس سے پہلے کہ میرا پیمانۂ صبر لبریز ہو اور تیز۔۔۔ نقلی کی بجائے تنگ دامنی کا ثبوت دوں' میں نے صبر کا کڑوا گھونٹ پی کر ریسیور حسب دستور پٹخنے کی بجائے (مالک ٹیلیفون کے خوف سے) اطمینان سے کریڈل پر رکھ کر اپنے محسن کا ہمراہ تبسم شکریہ ادا کیا۔

ایک بار بغرض ضرورت کارپوریشن کے دفتر میں فون کیا۔ ریسیور اٹھایا گیا، ہیلو! کون بول رہا ہے؟

(دوسری طرف سے) : میں بول رہا ہوں۔

(ادھر سے) : میں کون؟

(دوسری طرف سے) : بھئی! میں میں بول رہا ہوں، کہہ تو دیا! مگر آپ کون بول رہے ہیں؟

میں نے جل کر کہا: "میں بھی میں ہی بول رہا ہوں۔" اور ٹیلیفون بند کر دیا۔

ہمارا ٹیلیفون گو کہ ہماری ملکیت ہے، مگر اکثر و بیشتر پڑوسیوں اور رشتہ داروں کے استعمال میں رہتا ہے۔ سو میں سے ۹۵ پچانوے کالیں ہم سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں۔ کبھی کسی کو بلا دیں کبھی کسی کو یہ پیغام دے دیں۔ غرض کہ سارا دن ہم بلاتے اور پیغام ہی دیتے رہتے ہیں۔ ایک واقعہ جو ہمیں اپنا "ٹیلیفون لائف" میں ہمیشہ یاد رہے گا آپ بھی اس سے مستفید ہوں۔

رات کے ڈیڑھ بجے زوردار دھماکہ ہوا۔ ہم نے گھبرا کر آنکھیں ملتے ہوئے ادھر اُدھر دیکھا، بتی جلائی، مکمل خاموشی پائی!!

ذرا سکون سا محسوس کیا تو سونے کے لئے دوبارہ آنکھیں موند لیں۔ ابھی ہم نیند کی دوسری قسط کا افتتاح ہی کیا چاہتے تھے کہ پہلے سے زیادہ دھماکہ خیز آواز سنائی دی۔

اس مرتبہ ہم نے بغیر کسی وقفے کے بتی جلائی گرم گرم بستر کو چند لمحوں کے لئے خیر آباد کہہ کر کھڑکی سے باہر جھانکا تو اندھیرے میں ایک مدھم سا سایہ بالکل ساکت نظر آیا۔

ہم نے (SOUND PROOF) کھڑکی کے دونوں پٹ آہستہ سے بند کئے اور غیرارادی خوف کو دور کرنے کے لئے دوبارہ یخ بستہ بستر میں گھسنے کی کوششیں کر ہی رہے تھے کہ تیسری بار دھماکہ خیز آواز آئی۔ اب یہ بات ہمارے سامنے عیاں تھی کہ یہ خوفناک آواز کہاں سے آرہی ہے۔

ہم نے باورچی خانے سے ایک عدد جاپانی نژاد چھری سنبھالی اور دل کی دھڑکن کو چند لمحوں کے لئے روک کر قمیص کی آستین کاندھوں تک چڑھائیں اور ڈرامائی انداز میں ایک زوردار جھٹکے سے دروازہ کھول کر چھری کا چمکدار پھل ہوا میں لہرا کر...... اپنے منہ کا دہانہ کھولتے ہوئے "بڑکوں" کی گولہ باری شروع کر دی۔ اس سے قبل کہ ہم اس سین کو برقرار رکھنے کے لئے دماغ کی کھولی سے اور بڑکیں تلاش کرتے، تیز روشنی نے ہماری آنکھوں کو چندھیا دیا اور اسی روشنی میں ہم نے دیکھا کہ ہمارا دیوہیکل پڑوسی ہمارے سامنے مجسمۂ سوال تھا۔

(پڑوسی) : بھائی! آپ کو رات میں تکلیف دی۔ دراصل چھوٹے بھائی نے آج رات بارہ بجے کی پرواز سے پہنچنا تھا، مگر پہنچا نہیں۔ معلوم نہیں کیا بات ہے۔ خدا خیر کرے۔ میں ایئرپورٹ ٹیلیفون کر کے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ پرواز ۴۷۰ کیوں نہیں پہنچی؟ اگر پہنچ گئی ہے تو آیا اس میں بھائی سوار تھا یا نہیں! اگر تھا تو اب تک گھر کیوں نہیں آیا؟

ہم نے دروازے پر کھڑے کھڑے ان سے عرض کیا:

حضور! اگر ٹیلیفون ہی کرنا مقصود ہے تو گھنٹی بجاتے۔ اتنے قیمتی دروازے کو ناکارہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور پھر ٹیلیفون کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ ایئرپورٹ صرف ۱/۲ کلومیٹر ہے سکوٹر پر ہو آئیے۔

انہوں نے مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ کہا کہ آپ کی بات تو درست ہے۔ مگر! وہ! ذرا سردی ہے' لگ لگا گئی تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

خیر اب یہ مصیبت سر پر آن پڑی تھی تو اسے نپٹانا بھی ضروری تھا۔ اندر بلا کر ٹیلیفون آگے رکھ دیا اور وقت گذاری کے لئے نیم وا آنکھوں سے کتاب کی ورق گردانی شروع کر دی۔

دوران مطالعہ پڑوسی کی یہ گفتگو میری مفید توجہ کو اپنی طرف مبذول کراتی رہی۔

ہیلو! ایئرپورٹ

مجاہد صاحب ہیں! ہیں جی! کیا جی!! اچھا جی۔ السلام وعلیکم مجاہد! کیا حال ہیں یار! اتنے دن سے کہاں تھے۔ گھر قریب ہے کبھی کبھی چکر لگا لیا کرو۔

ہیں سردی... یار سردی سے ڈرتے ہو۔ مجھے دیکھو کڑاکے کی سردی میں ٹیلیفون کر رہا ہوں۔

اور بھابھی کیسی ہیں!

بچہ (حیرت کے ساتھ) اچھا! مبارک ہو بھئی۔ کیا نام رکھا ہے؟ مجید؟ یار یہ نام کچھ ٹھیک نہیں ہے۔

میرے خیال میں ٹونی رکھ لو۔ ماڈرن زمانہ ہے۔ فرسودہ ناموں کو ہمیں ترک کر دینا چاہیئے۔

یونین الیکشن کا تو سناؤ! کب ہو رہے ہیں؟ سنا ہے تم بھی حصہ لے رہے ہو؟

"نہیں لے رہے" کیوں؟

میری مانو تو انتخاب لڑ لو جیت گئے تو پھر پیارے مزے ہیں مزے! جی بھر کے گلچھرے اڑانا۔

کیوں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا!

خیر چھوڑو۔

تمہاری ڈیوٹی بھی عجیب ہے، رات کو ہوتی ہے۔ تم سے بات کرنا ہو تو رات کو اور دن میں تم ہوتے ہی نہیں۔

اور ہاں یار وہ رات والا ہوائی جہاز آگیا یا نہیں؟

کیا کہا رات کو کوئی جہاز کراچی سے آتا ہی نہیں۔

باقی ص ۲۶ پر

لاہور ہائی کورٹ کے شریعت بنچ میں مولانا زاہد الراشدی کی درخواست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بعدالت شریعت بنچ

.......عدالت عالیہ پنجاب لاہور

بمقدمہ

ریٹائرڈ جسٹس بدیع الزمان کیکاؤس

---------- بنام سرکار

بعنوان خلاف اسلام قرار دیئے جانے پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ وغیرہ:

جناب والا!

- درخواست دہندہ نے ۴ نومبر ۷۹ء کو شریعت بنچ میں جناب حافظ محمد یوسف ایڈووکیٹ کے ذریعے درخواست کی تھی کہ مذکورہ بالا مقدمہ کے سلسلہ میں قرآن و سنّت کی روشنی میں درخواست دہندہ کچھ ضروری معروضات بنچ کے روبرو پیش کرنا چاہتا ہے۔
- شریعت بنچ کی طرف سے درخواست دہندہ کو ہدایت کی گئی کہ یہ معروضات تحریری طور پر بنچ کے روبرو پیش کی جائیں۔
- چنانچہ مذکورہ بالا مقدمہ سے متعلق اہم امور کے سلسلے میں چند اصولی معروضات لف ہذا ہیں۔
- یہ معروضات ان امور پر درخواست دہندہ کے ذاتی مطالعہ کا ماحصل ہیں اور اس میں کسی مذہبی یا سیاسی مکتبِ فکر کی نمائندگی کا داعیہ موجود نہیں ہے۔
- اگر شریعت بنچ کے معزز ارکان اس سلسلہ میں دلائل اور حوالہ جات کی ضرورت محسوس کریں تو درخواست دہندہ بنچ کے سامنے دلائل اور حوالہ جات پیش کرنے کے لئے تیار ہے۔

العارض

ابو عمار زاہد الراشدی

مدرس مدرسہ انوار العلوم

جامع مسجد شیرانوالہ باغ

گوجرانوالہ

---------- بذریعہ

------ حافظ محمد یوسف ایڈووکیٹ

۳-۱۲-۷۹

اسلامی نظام کی نوعیت:

(الف) ملت اسلامیہ میں اسلامی قوانین و احکام کے نفاذ، سرحدوں کی حفاظت اور دیگر اجتماعی و سیاسی معاملات میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کا نام حکومت اور ریاست ہے اور اسے اصطلاحی طور پر خلافت کا نام دیا گیا ہے۔

(ب) اسلام حکمران کو اسلامی احکام و قوانین اور نیابت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرہ میں پابند کرنے کے بعد حکومت کی انتظامی نوعیت کے بارے میں ملت اسلامیہ کو اجازت دیتا ہے کہ وہ حالات اور اجتماعی مصلحتوں کے پیش نظر جو طریق کار مناسب سمجھے اختیار کرے۔

(ج) اس نوعیت کی حکومت کا قیام ملت اسلامیہ کا شرعی فریضہ ہے۔

عوام کی نمائندگی:

(الف) اسلام حکومت کی تشکیل اور سربراہ مملکت کے انتخاب میں عوام کی براہ راست یا بالواسطہ رائے کا حق تسلیم کرتا ہے۔

(ب) اسلام میں حکومت اور عوام کے درمیان عوام کے منتخب نمائندوں پر مشتمل ایک طبقہ کا وجود ضروری ہے جسے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "عرفاء" (جمع عریف بمعنی نمائندہ) کا نام دیا ہے۔

(ج) انتظامی امور اور عوام کے حقوق و مسائل کے معاملات میں عوام کو براہ راست یا نمائندوں کے ذریعہ مشاورت میں شریک کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے۔

قانون سازی کا اصول:

(الف) قرآن کریم، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع امت کے ذریعے طے شدہ شرعی فیصلوں میں جدید قانون سازی (بمعنی ترمیم و تبدیل) کی کوئی گنجائش

نہیں ہے۔

(ب) غیر منصوص مسائل میں سے اجتہاد سے متعلق مسائل میں صرف اجتہادی صفات سے متصف افراد ہی فیصلہ دے سکتے ہیں۔

(ج) انتظامی امور اور عوامی حقوق و مسائل کے سلسلہ میں عوام کے نمائندوں کے ذریعہ قانون سازی درست ہے۔

سربراہ مملکت کے لئے

اہلیت کا معیار:

اسلام سربراہ مملکت کے لئے مناسب علمی، جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ دیانت و تقویٰ کو بھی شرط قرار دیتا ہے۔

جماعتوں کا وجود:

(الف) اسلام سیاست میں گروہ بندی کا وجود تسلیم کرتا ہے جو پہلے قبائل کے عنوان سے تھی لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے سے قبل یہ گروہ بندی ترقی کر کے مہاجرین، انصار اور طلقاء کے تین طبقوں کی صورت اختیار کر چکی تھی۔

(ب) اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو "بر" اور "تقویٰ" کے لئے "باہمی تعاون" کا حکم دیا ہے اور "اثم" اور "عدوان" پر باہمی تعاون سے روکا ہے، اور چونکہ جماعتوں کی تشکیل "باہمی تعاون و اشتراک" ہی کی ایک ترقی یافتہ اور منظم صورت ہے اس لئے "اثم" اور "عدوان" کی نفی کر کے "بر" اور "تقویٰ" پر جماعتوں کی تشکیل کا جواز موجود ہے۔

امیدواری کا مسئلہ:

(الف) اسلام میں منصب طلب کرنے کی ممانعت مطلقاً نہیں ہے بلکہ اہل اور دیانتدار شخص کے لئے عہدہ طلب کرنے اور خود کو کسی منصب کے لئے پیش کرنے کا جواز قرآن و سنت میں موجود ہے۔

(ب) کسی بھی منصب کے امیدوار کے لئے ذہنی و جسمانی صلاحیت کے ساتھ ساتھ مناسب علمی اہلیت اور تقویٰ و دیانت بھی ضروری ہے۔

عورت کی رائے:

(الف) عورتوں سے متعلق امور و مسائل میں عورتوں ہی کی رائے کا اعتبار ہے۔

(ب) علمی مسائل اور عوامی امور میں بھی عورتوں سے رائے لینے اور ان کی رائے کو قبول کرنے کی مثالیں خلافت راشدہ میں موجود ہیں۔

بقیہ: رانگ نمبر

میں: ہاں! میرا تو کوئی نہیں آرہا، میں تو (بالکل آہستہ آواز میں) ٹیلیفون کرنے کی (FORMALITY) پوری کر رہا تھا، ورنہ مجھے ہوائی جہاز کے آنے یا نہ آنے سے کیا مطلب!

"اچھا بھئی خدا حافظ' بھائی کو سلام کہنا"

یہ صاحب جب ٹیلیفون کر کے گئے تو مجھ سے نہ پوچھئے ہماری کیا حالت ہوئی (باوجود سردی کے) غصے کی وجہ سے چہرے پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے نمایاں ہو گئے تھے۔

بقیہ: اللہ والوں کی دنیا

کے فرستادہ کی حیثیت سے تشریف لائے اور دس روپے حضرت ام المومنین رضہ کی طرف سے دارالعلوم کے چندہ میں عنایت فرمائے۔ حضرت مہتمم صاحب کا ارشاد ہے کہ خواب ہی کی حالت میں انہوں نے یہ ارادہ فرمالیا کہ وہ اس عطیۂ گرامی کو اجلاس صد سالہ کی مد میں جمع فرمائیں گے۔ چنانچہ، ذیقعد کی صبح کو حضرت موصوف نے ایک تحریر میں خواب کی یہ تفصیل اور دس روپے دفتر اجلاس صد سالہ میں مرحمت فرمائے ساتھ میں یہ عبارت لکھی:

(عطیۂ گرامی ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، معرفت محمد طیب غفرلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند)

حضرت کی یہ تحریر دفتر اجلاس میں پہنچی تو سب ارکان نے دس دس روپے دے کر انہیں الفاظ کے ساتھ رسید کٹوائی پھر دارالعلوم اور پورے دیوبند میں ایک رو چل نکلی۔ اساتذہ دارالعلوم کے علاوہ طلباء دارالعلوم اور اہل شہر نے بھی اُم المومنین رضی اللہ عنہا کی تقلید کا شرف حاصل کرنے کے لئے دس دس روپے چندہ دفتر میں پہنچایا۔

(ماہنامہ دارالعلوم ماہ نومبر ٧٩ء)

دیوبندی مکتب فکر کے لئے ایک بہت بڑی نوید ہونے کے ساتھ ان کی ذمہ داری میں بھی اضافہ ہونا چاہیئے کہ تبلیغ نبوت یعنی مسئلہ توحید کو اپنے اپنے علاقوں میں ہر قسم کے ڈر اور خوف سے بے نیاز ہو کر خوب پھیلائیں خواہ اس کا ردعمل جو بھی ہو اس کی فکر ہرگز ہی نہیں ہونی چاہیئے حتیٰ کہ یہ حال ہو کہ

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

مولانا عبید اللہ سندھی کے نظریہ انقلاب کو مقصد بنا کر اپنی صفوں کو منظم کریں

قائد طلباء جناب جاوید ابراہیم پراچہ

جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان کے مرکزی قائد جناب جاوید ابراہیم پراچہ نے جمعیۃ طلبہ اسلام کے کارکنوں کو ایک پیغام میں ہدایت کی ہے کہ

"وہ موجودہ حالات میں مستعد ہو کر دینی جذبے کے فروغ میں معاون ثابت ہوں۔"

انہوں نے کہا کہ:

جمعیۃ طلباء اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور ان کے انقلابی اصولوں کو اپنا نصب العین اور مقصد حیات سمجھتی ہے لہذا جمعیۃ طلباء اسلام کا ہر فرد ہر معاملہ اور عمل میں اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور طریق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنا معیار اور منزل مقصود سمجھتے ہوئے کام کرے اور جذبۂ جہاد سے سرشار ہو کر شعائر اسلام کی حفاظت کے لئے میدان عمل میں نکل آئے۔

قائد طلبہ نے فرمایا:

کارکن حضرت شاہ ولی اللہ رح کے پروگرام اور مولانا سندھی رح کے نظریۂ انقلاب کو مقصد بنا کر اپنی صفوں کو منظم کریں تا کہ لادینیت اور سامراجیت کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہو سکیں۔ کارکن صوبائی اور ضلعی سطح پر تربیتی اجتماعات منعقد کریں، اور محلہ وار، تحصیل وار اور ضلع وار تنظیم کو مکمل کریں۔

مرکزی تربیتی اجتماع کامیاب رہا:

جمعیۃ طلباء اسلام پاکستان کے زیر اہتمام ہونے والا سات روزہ تربیتی اجتماع کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ اجتماع میں جناب جاوید ابراہیم پراچہ، ندیم اقبال اعوان، ڈاکٹر محمد اعظم چیمہ، حافظ اطہر عزیز، میاں محمد عارف، میاں محمد اجمل کے علاوہ صوبہ پنجاب سے ظہیر میر۔ ملک خلیل احمد اعوان، عبد الخالق ندیم، ظفر یٰسین بٹ اور قاری محمد اختر صوبہ بلوچستان سے جناب نظام الدین پانیزئی اور صوبہ سرحد سے نجیم خان صوبہ سندھ سے عبد القیوم طاہر شریک ہوئے۔ اجتماع کی مختلف نشستوں سے علامہ خالد محمود، علامہ زاہد الراشدی اور دیگر مقررین نے خطاب کیا۔

مرکزی مجلس شوریٰ کا اجلاس اور فیصلے:

مرکزی تربیتی اجتماع کے دوران جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان کی مرکزی مجلس شوریٰ کے اجلاس بھی ہوتے رہے۔ ان اجلاسوں میں جو مختلف فیصلے ہوئے وہ حسب ذیل ہیں:

لائحہ عمل طے کرنے کے لئے کمیٹی:

اجلاس میں فکری راہنمائی، عملی جد و جہد کا طریق کار طے کرنے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ فیصلے کے مطابق:

"ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جو مندرجہ ذیل اصحاب پر مشتمل ہو گی جن میں میاں محمد عارف صاحب،

اجمل قادری صاحب، ندیم اقبال اعوان اور جناب جاوید ابراہیم پراچہ شامل ہوں گے۔ یہ کمیٹی اکابر سے مل کر جماعت کو لائحہ عمل دے گی اور تمام حضرات اس پر عمل کریں گے۔

۲۔ مالیاتی کمیٹی:

موجودہ پیدا شدہ مالی مشکلات کے حل کے لئے بھی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی فیصلہ کیا گیا کہ:

"میاں محمد عارف، صاحبزادہ اجمل قادری اور ندیم اقبال اعوان دفتری امور کرایہ اور دیگر ضروریات بموجب مرکزی ناظم مالیات فوری طور پر انتظام کریں گے اور کمیٹی کے نگران میاں محمد عارف ہوں گے۔"

۳ تنظیمی صورت حال اور دیگر امور:

مجلس شوریٰ میں تنظیمی صورت حال کا مفصل جائزہ لیا گیا اور اس کے مطابق مندرجہ ذیل فیصلے کئے گئے:

۱۔ جو عہدیدار کام نہیں کر رہے ان کی جگہ نئے عہدیداران کا تقرر مرکزی صدر کی منظوری سے جلد از جلد کیا جائیگا۔

۲۔ مرکزی راہنما سندھ، بلوچستان، سرحد اور پنجاب کا دورہ کریں گے۔

۳۔ حضرت درخواستی اور مولانا عبید اللہ انور سے سورہ فاتحہ اور حجۃ اللہ البالغہ کے درس کے لئے وقت لیا جائے گا۔

ضلعی حضرات کو ڈاکٹر نذیر احمد پھوار کی ہدایت:

جمعیۃ طلبہ اسلام صوبہ سندھ کے صدر جناب ڈاکٹر نذیر احمد پھوار نے صوبہ سندھ کے تمام اضلاع کے صدر اور کنوینر حضرات کو ہدایت کی ہے کہ وہ دستور کے مطابق اپنے ضلع کے مجموعی مجلس عمومی کے ارکان اور صوبائی مجلس عمومی کے نامزد اراکین کے نام بمعہ پتہ، تعلیم، تعلیمی ادارہ اور ٹیلیفون نمبر ہو تو ۲۹ دسمبر تک ارسال کریں۔ جو ضلع سب سے پہلے یہ لسٹ ارسال کرے گا، اسے صوبہ کی جانب سے انعام دیا جائے گا اور جو ضلع مقررہ تاریخ سے لیٹ ارسال کرے گا، اس پر اس کو پچاس روپے جرمانہ ہوگا۔ نیز ضلعی دفتر موجود ہے یا نہیں اگر نہیں ہے تو وجوہات بیان کریں۔

صوبہ سندھ کا مستقل تربیتی کیمپ

جمعیۃ طلبہ اسلام صوبہ سندھ کے صدر جناب نذیر احمد پھوار کے مطابق جمعیۃ طلباء اسلام سندھ کے ساتھیوں کی تربیت کے لئے شکارپور میں ایک مستقل تربیتی کیمپ کا اجراء کیا گیا ہے۔ اس کیمپ میں ہر جمعرات کو کسی نہ کسی شاخ کے چار کارکن تربیت حاصل کریں گے۔

گذشتہ جمعرات ۲۹ نومبر کو میرپور بُرڈو (ضلع جیکب آباد) کے اراکین نے تربیتی پروگرام میں شرکت کی۔ تربیت دینے والے حضرات میں حضرت مولانا غلام قادر، جناب صوفی علی شیر، جناب عبدالحئی نونارے، جناب اسلم وسیر اور نذیر احمد پھوار تھے۔

ماضی کے فیصلوں پر ایک ضروری نظر:

اس سال ماہ جولائی کے دوران جمعیۃ طلباء اسلام کی مرکزی مجلس عمومی کا ایک اجلاس منعقد ہوا تھا، جس میں دستوری ترامیم عمل میں لائی گئی تھیں۔ ان ترامیم اور متعلقہ فیصلوں کی یاد دہانی اور عمل کی تحریک پیدا کرنے کے لئے جناب جاوید ابراہیم پراچہ کی پریس کانفرنس کے اقتباسات درج کئے جاتے ہیں جو ۲۴ جولائی ۱۹۷۹ء کو کوئٹہ میں کی گئی تھی۔

"جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان کی مرکزی جنرل کونسل نے مِنّہ زیارت کے مقام پر اپنے سہ روزہ اجلاس کے بعد دستور میں ترامیم آئندہ پالیسی اور لائحہ عمل کے بارے میں جو فیصلے کئے گئے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ پریس کے ذریعے ان کا اعلان کر دوں۔

دستوری ترامیم:

جمعیۃ طلباء اسلام پاکستان کا دستوری ڈھانچہ جامع اور مکمل ہے لہذا جمعیۃ طلباء اسلام نے بنیادی ڈھانچے میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ البتہ دستور کی دفعہ ۲ (نصب العین) جمعیۃ طلبہ اسلام کا نصب العین رضائے الٰہی کے حصول قرآن و سنت کے احکامات کے مطابق

علماء حق کی تشریح میں جنرل کونسل نے یہ اضافہ کیا ہے:

"علماء حق وہ ہیں جو صحابہ کرامؓ ائمہ اربعہ اور سلف صالحین کے نقل کردہ تعبیر دین کے ترجمان ہوں (اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تحریک سے منسلک ہوں)۔

دفعہ ۳ اغراض و مقاصد: شق ۵ اسلامی معاشرہ کے قیام اور اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے عملی جدوجہد کرنا (قرآن و سنت کی روشنی میں عالم اسلام کے مظلوم اقوام کے حقوق کی حفاظت کرنا)۔

دفعہ ۴،

"جمعیۃ طلباء اسلام میں شمولیت کے دو درجے ہوں گے" اس میں اضافہ کر کے تین درجے کر دیئے گئے ہیں،

دفعہ ۵، ۶ اور ۷ کی ترتیب و تدوین کے لئے ایک دستوری کمیٹی منتخب کی گئی ہے جس کے چیئرمین میاں محمد عارف اور ممبران میں مرکزی ناظم عمومی، ندیم اقبال اعوان پنجاب کے صدر ظہیر میر، سندھ کے صدر ڈاکٹر نذیر احمد بھنوار اور مرکزی نائب صدر نور احمد سندھی ہوں گے۔ کمیٹی دو ماہ کے اندر مرکزی صدر کو خاکہ پیش کرے گی۔

مرکزی قائدین کے

دورۂ سندھ و بلوچستان

کا پروگرام

جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان کے مرکزی قائدین جناب جاوید ابراہیم پراچہ، ناظم عمومی جناب ندیم اقبال اعوان، مرکزی ناظم جناب محمد اعظم چیمہ اور مرکزی ناظم مالیات جناب حافظ اطہر عزیز ۲۰ دسمبر سے اپنے دورہ کا آغاز کوئٹہ سے کریں گے۔

پروگرام کے مطابق مرکزی قائدین ۲۰ دسمبر کو بذریعہ کوئٹہ ایکسپریس کوئٹہ پہنچیں گے۔ اس روز صوبائی مجلس عاملہ کا اجلاس ہوگا جس میں مرکزی قائدین شرکت کریں گے۔

۲۱ دسمبر کو دس بجے صبح بلوچستان کے تمام اضلاع کے صدر، ناظم عمومی اور دیگر ذمہ دار حضرات کا اجتماع ہوگا، جس میں مرکزی قائدین شرکت کریں گے۔ اسی روز مرکزی قائدین کوئٹہ سے جیکب آباد پہنچیں گے۔ ۲۲ دسمبر کو لاڑکانہ روانہ ہوں گے، جہاں چانڈکا میڈیکل کالج میں پروگرام ہوگا، اور

۲۳ دسمبر	پیر شریف،
------	امروٹ شریف،
------	ہالیجی شریف
۲۴ دسمبر	سکھر
۲۵ ر ر	نوابشاہ
۲۶ ر ر	حیدر آباد
۲۷ ر ر	میرپور خاص
۲۸ ر ر	کراچی

اس دورہ میں مرکزی قائدین تنظیمی اجتماعات، عمومی اجتماعات انفرادی ملاقاتوں کے علاوہ اہم مقامات پر پریس کانفرنسوں سے بھی خطاب کریں گے۔

ضلع جیکب آباد

(سندھ)

گذشتہ دنوں جمعیۃ طلبہ اسلام ضلع جیکب آباد کی مجلس عمومی کا اجلاس مقامی دفتر جمعیۃ طلبہ اسلام جناب نذیر احمد بھنوار کی صدارت میں ہوا جس میں تنظیمی صورت حال پر غور کیا گیا اور شاخوں سے رپورٹیں طلب کی گئیں۔

اجلاس میں جناب عبدالحئی صدر ضلع جیکب آباد کی جگہ اکثریت رائے سے ضلعی ناظم عمومی جناب غلام علی قریشی کو صدر منتخب کیا گیا اور لالہ شہاب الدین پٹھان کو ناظم عمومی منتخب کیا گیا۔

آخر میں صوبائی صدر جناب نذیر احمد بھنوار نے نو منتخب عہدیداروں سے حلف وفاداری لیا۔

استعفیٰ کی تردید

جمعیۃ طلباء اسلام صوبہ سندھ کی مجلس عمومی کے رکن ظہیر احمد سعد میمن نے کہا کہ کچھ عناصر میرے بارے میں اخبارات میں بیان چھپوا رہے ہیں کہ میں نے جمعیۃ طلباء اسلام سے استعفیٰ دے دیا ہے۔

انہوں نے کہا کہ میں ان بیانات کی پرزور مذمت کرتا ہوں۔ میں مرتے دم تک علماء حق کی قیادت میں چلنے والی اس بے لوث تنظیم کا ادنیٰ خادم رہوں گا۔ میرا مستقبل ماضی اور حال جمعیۃ طلباء اسلام سے وابستہ ہے۔

کعبۃ اللہ پر قبضہ ــ

جذبات طوفان بن گئے،

مرکز اسلام پر قبضہ کی ناپاک جسارت کی خبر سنتے ہی غیرت اسلامی امنڈ پڑی، جذبات بہہ نکلے، ضبط کے پیمانے چھلک گئے۔ جوش کو اظہار کا راستہ ملا، ہوش ہوا ہو

گیا۔ پابندیاں روندی گئیں اور قواعد و ضوابط ٹوٹ گئے۔ جس نے جس رنگ میں ہو سکا اپنے جذبات کا اظہار کیا اور یہی ایمانی غیرت کا تقاضا تھا۔ اس موقع پر بھی جمعیۃ طلباء اسلام کے کارکنوں نے ایمانی جذبوں کی ایک تاریخ رقم کی ہے۔ رودادیں اور کاروائیاں سیلِ رواں کی طرح موصول ہو رہی ہیں۔ جذبات کی قدر کو ملحوظ رکھتے ہوئے اختصار سے ان خبروں کو شائع کیا جا رہا ہے۔ یہ مختصر صفحہ تفصیلات کا متحمل نہیں ہے۔

گوجرانوالہ:

ادھر خبر سنی ادھر مدرسہ انوار العلوم سے جمعیۃ طلباء اسلام کا جلوس قاضی حمید اللہ کی قیادت میں نکلا جو ریل بازار، کچہری روڈ اور جی ٹی روڈ سے ہوتا ہوا سیالکوٹی گیٹ پہنچا۔ مختلف مقامات پر محمد نواز بلوچ مولوی عبدالحق اور دلسوز محمد نعیم ترین نے خطاب کیا۔

میرپورخاص:

خانہ کعبہ کی بے حرمتی پر شاہد راجپوت کی قیادت میں جمعیۃ طلباء اسلام کا جلوس نکلا۔ جس میں دو ہزار سے زائد افراد شریک تھے۔ جلوس سے جمعیۃ طلباء اسلام کے رہنما جناب شاہد راجپوت نے تقریباً پندرہ مقامات پر خطاب کیا۔ یہ جلوس میرپورخاص کی شاہراہوں پر پانچ گھنٹے تک گشت کرتا رہا۔ انہوں نے بعد میں ایک بیان میں ان طلباء تنظیموں کی مذمت کی اور کہا کہ اس سے ان کی مسلمانی کا اندازہ ہو جاتا ہے جنہوں نے اس موقع پر جمعیۃ طلبہ اسلام سے تعاون پر معذرت کی۔

کوئٹہ:

جمعیۃ طلبہ اسلام بلوچستان کے زیرِ اہتمام سانحہ حرم کے خلاف ایک بہت بڑا جلوس نکلا جس کی قیادت جمعیۃ طلباء اسلام بلوچستان کے ناظم اطلاعات نظام الدین پانیزئی نے کی۔ جلوس اہم شاہراہوں سے گزر کر چوک

ملتان پہنچا جہاں ایک بہت بڑا جلسہ ہوا جس کی صدارت مولانا عبدالواحد نے کی۔ اس جلسہ سے نظام الدین پانیزئی۔ محمد اسحاق، طاہر غیاث نے بھی خطاب کیا۔

سکھر:

گذشتہ دنوں جمعیۃ طلباء اسلام کے زیر اہتمام ایک جلسہ میمن مسجد میں ہوا جس میں حضرت فاروق اعظمؓ کی سیرت بیان کی گئی۔ آخر میں ایک قرارداد میں خانہ کعبہ پر مرتدین کے قبضے پر شدید غم و غصہ کا اظہار کیا گیا اور عالم اسلام سے متحد ہو کر ملّی دشمنوں کا مقابلہ کرنے کی اپیل کی گئی۔

اس جلسہ سے مولانا محمد مراد، مولانا مظہر الدین انڈھڑ، استاد عطا محمد، مولانا عبدالمجید صدیقی کے علاوہ محمد اسلم وسیر ناظم جمعیۃ طلبہ اسلام صوبہ سندھ، فتح محمد قاسمی کنوینر جمعیۃ طلباء اسلام سکھر شہر اور حافظ محی الدین چاچڑ نے بھی خطاب کیا۔

بقیہ: بسلسلۂ انقلابی مسلمان

نہ کی اور وہ انگریز سامراج کے خلاف مضبوطی سے ڈٹے رہے۔ آپ کے انتقال کے بعد مولانا نور اللہ کو امیر چن لیا گیا مگر وہ دو سال بعد رحلت فرما گئے۔ اس طرح میر مقصود علی کو بطور نئے امیر کے منتخب کر لیا گیا۔ ان کے زمانے میں انگریزوں سے چھیڑ چھاڑ جاری رہی مگر ان کی زندگی نے بھی وفا نہ کی اور وہ بھی دو سال سے کم عرصہ میں خالق حقیقی سے جا ملے۔

اس طرح ١٨٦٢ء میں امارت کی باگ ڈور ایک مرتبہ پھر مولانا ولایت علی کے صاحبزادے مولانا عبداللہ کے سپرد کی گئی جنہوں نے تقریباً چالیس برس تک انگریزی فوجوں کو خاک و خون میں نہلائے رکھا۔

ہندوستان میں ہزاروں محبانِ وطن کو سرحد کے انقلابیوں سے خط و کتابت کے جرم میں گرفتار کر کے عبور دریائے شور کر دیا گیا۔ عرصہ دراز تک پورے شمالی ہندوستان میں خانہ تلاشیوں اور گرفتاریوں کا سلسلہ جاری رہا۔ اس کے علاوہ حریت پسندوں اور ان کے معاونین کے خلاف یکے بعد دیگرے سازش کے پانچ مقدمات چلائے گئے۔

مولانا عبداللہ ١٩٠٢ء میں انتقال کر گئے ان کے بعد امارت کی ذمہ داری ان کے چھوٹے بھائی مولانا عبدالکریم کے کاندھوں پر ڈال دی گئی جنہوں نے تقریباً تیرہ سال تک تحریک کو کامیابی سے چلایا۔ ١٩١٥ء میں جب مولانا عبدالکریمؒ کا انتقال ہوا تو برطانوی سامراج کا اقبال اپنے نقطۂ عروج پر تھا مگر ہندوستان میں اب اس کے قائم کردہ نظام میں دراڑیں پڑنا شروع ہو گئی تھیں۔

(جاری ہے)